اصل مسئلہ معاشی ہے
سید محمد فاروق القادری

# اصل مسئلہ معاشی ہے

سید محمد فاروق القادری



ادارۂ پاکستان شناسی لاہور

# فہرست

- وسائل رزق پر چند افراد کے ظالمانہ تسلط اور قوانین خداوندی کی خود ساختہ تاویلات نے مسلم امت پر کیا ستم ڈھائے؟
- معاشی استحصال، مذہبی بے راہروی اور اخلاقی پستی کی اصل وجوہ کیا ہیں؟
- معاشی مسئلہ کے بارے میں اسلام کی انقلابی تعلیمات کیا ہیں؟
- رسول اکرم ﷺ نے ان بنیادی ضروریات کو کس قدر اہمیت دی؟
- آپؐ نے افلاس کو کفر کا پیش خیمہ کیوں قرار دیا؟
- عہد ملوکیت کے مصلحت کیش علماء نے تعلیمات نبوت کو کیونکر مسخ کیا؟
- کتاب و سنت کے مقابلے میں ملوکانہ قوانین کی بالادستی قائم کرنے کے پس پردہ کیا عزائم تھے؟
- عہد حاضر کا انسان معاشی مسائل میں کتاب و سنت سے کس طرح رہنمائی حاصل کر سکتا ہے؟
- مسائل و مشکلات کا شکار انسان مذہب سے بیزار کیوں ہے؟
- رسول اکرم ﷺ کے اصل جانشین کون ہیں۔ خدا مست صوفیہ یا دنیا پرست علماء؟

○

کس نہ گردد در جہاں محتاجِ کس
نکتۂ شرعِ مبیں این است و بس

○

سلطانیٔ جمہور کا آتا ہے زمانہ

جو نقش کہن تم کو نظر آئے مٹا دو

اٹھو مری دنیا کے غریبوں کو جگا دو

کاخ امرا کے در و دیوار ہلا دو

جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہیں روزی

اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو

## پہلے اسے پڑھیے

ہے آ رہا [illegible] ہم شب کا پھر پیام آیا
ٹھہر اے رہرو کہ شاید پھر کوئی مشکل مقام آیا!

میں نے [illegible] قدیم و جدید مدارس و مکاتب میں تعلیم حاصل کی ہے اور عموماً امتیاز [illegible] زندگی کا ایک بڑا حصہ میں نے تحقیق، مطالعہ، مشاہدہ اور لکھنے پڑھنے میں گزارا ہے۔ میرے مختصر علمی کام کو [illegible] پاکستان سے باہر اہلِ علم نے تحسین کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ میں نے مسلمانانِ عالم بالخصوص اہلِ پاکستان کے انحطاط، تنزل، پستی، پسماندگی اور معاشی، معاشرتی، اخلاقی اور علمی اعتبار سے اُلٹے پاؤں پھرنے کی وجوہات اور اسباب کو سمجھنے کے لیے بہت غور و فکر کیا ہے، مجھے اس بات نے بہت ہی بے چین اور مضطرب کیا ہے کہ ؏

کیوں نہیں ہوتی سحر حضرتِ انساں کی رات؟

متعدد نظریات' افکار اور مذاہب نے سادہ اور بے زبان عام آدمی کو بے روز گاری' بھوک' افلاس' ظلم' ناانصافی اور بالادست طبقے سے بچانے کے لیے بڑے بڑے دلکش پروگرام پیش کیے مگر عملی طور پر نتیجہ صفر رہا۔ یہاں تک کہ اسلام ایسے سادہ' غریب پرست اور انقلابی مذہب کا انسانی مسائل کے بارے میں جدید ترین منشور بھی تیرہ سو سال کے بعد لپیٹ دیا گیا اور اسے صرف دینی عبادات و معمولات کی ادائیگی تک محدود کر دیا گیا۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ مفکر اسلام شاہ ولی اللہ کو فک کل نظام یعنی اقتصادی اور معاشی اعتبار سے فاسد نظام کو اکھاڑ پھینکا جائے کا نعرہ دینا پڑا اور علامہ اقبال پکار اٹھے

ابھی تک آدمی صید زبون شہریاری ہے
قیامت ہے کہ انساں نوع انساں کا شکاری ہے

سارے مسئلے کو سوچنے سمجھنے پرکھنے جانچنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ جو چیز مسلمانوں کو عموماً اور خصوصاً پاکستانیوں کو مسلسل پیچھے دھکیل رہی ہے وہ ان پر مسلط ظالمانہ معاشی نظام' انتہائی غیر معتدل اقتصادی طرز حیات' آمرانہ انداز حکمرانی' اسلام کی غلط تعبیر و توضیح' بیشتر مذہبی قائدین کے قول و فعل میں فرق' عزیمت کی بجائے مسلسل ان کا رخصت پر عمل پیرا ہونا اور تبلیغ و ارشاد اور اصلاح کی بجائے سیاست کی دلدل میں اترنا ہے۔

جاگیرداری' سرمایہ داری' حب جاہ و منصب کی جس طرح حوصلہ شکنی اسلام نے کی تھی وہ آنحضور ﷺ' صحابہ کرام اور اہل بیت عظام اور اکابر

صوفیہ کی زندگیوں کا سرنامہ ہے۔ قرآن مجید کی مکی سورتوں کا توحید کے بعد سارا زور جہاں مساکین، مستضعفین، ضرورت مندوں اور محتاجوں کی کفالت کے احکام پر مشتمل ہے، وہاں دولت مندوں کو زجر و توبیخ اور اپنی دولت میں مسکینوں اور غریبوں کو شامل کرنے کے تہدیدی احکام شامل ہیں اور جو لوگ اس پر عمل نہیں کرتے ان کے لیے بہت ہی سخت عذاب کی وعیدیں سنائی گئی ہیں۔ جب اس پر عمل نہیں کیا گیا اور امیر و غریب، خوشحال و فاقہ کش اور ظالم و مظلوم کے درمیان خلیج بڑھتی چلی گئی تو علامہ اقبال ایسے دیدہ ور مفکر کو کہنا پڑا:

اے شیخ امیروں کو مسجد سے نکلوا دے
ہے ان کی نمازوں سے محراب ترش ابرو!

میں ناخوش و بیزار ہوں مرمر کی سلوں سے
میرے لیے مٹی کا حرم اور بنا دو

تحریک پاکستان ایک فلاحی مملکت کی نوید کی یہی وجہ ہے کہ بھوک، افلاس، غربت، ظلم اور ناانصافی کے شکار عوام دیوانہ وار اس کی طرف لپکے۔ کرۂ ارض پر یہ نئی قائم ہونے والی مملکت صرف نمازیں پڑھوانے اور روزے رکھوانے کے لیے قائم نہیں ہوئی تھی یہ تو پہلے بھی ادا ہو رہے تھے۔ اس لیے کہ تاریخ عالم میں ان کے سامنے تیس ۳۰ سال پر مبنی ایک ایسی مثالی ریاست کا نقشہ بہرحال موجود تھا جس نے اس دھرتی پر شاہ و گدا، حاکم و محکوم، ادنیٰ و اعلیٰ اور

عربی و عجمی کی تفریق مٹا کر وسائل رزق اور حصول انصاف میں سب کو مساوی درجہ دیا تھا اس حکومت کے نصب العین اور منشور میں سرفہرست یہ بات شامل تھی۔ ع

تمیز بندہ و آقا فساد آدمیت ہے

اور

کس دریں جا سائل و محروم نیست
عبد و مولا حاکم و محکوم نیست

بندۂ حق بے نیاز از ہر مقام
نے غلام او را نہ او کس را غلام

جن لوگوں کو اسلامی حکومت کے [illegible] ہوتی ہے وہ تجاہل عارفانہ کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ اسلامی حکومت سے مراد فلاحی حکومت کا قیام ہے مگر وہ غریبوں کو وسائل رزق میں برابری کی حیثیت سے شریک کرنے ان کے ساتھ ایک ہی صف میں کھڑا ہونے اور ان کے ساتھ چٹائی پر بیٹھ کر کھانے کے لیے تیار نہیں اس لیے وہ اسلامی حکومت کو ایک خوفناک ہوا بنا کر دکھاتے ہیں۔

کچھ لوگ بھوک سے مر رہے ہیں' بچے فروخت کر رہے ہیں' اپنے اعضاء بیچ رہے ہیں' خودکشیاں ہو رہی ہیں' انصاف سر عام بک رہا ہے'

کروڑوں روپے کے اخراجات وصول کرنے والے ہسپتال ڈسپرین اور سرنج تک مریض کو میڈیکل سٹورز سے لینے پر مجبور کرتے ہیں ہسپتالوں کی عمارت کا استعمال ہوٹلوں سے بھی مہنگا ہے۔ پولیس اور پٹواریوں نے عوام کا جینا دوبھر کر دیا ہے۔ معمولی درجے کے افسر اپنی کرسیوں پر فرعون بنے بیٹھے ہیں، سرکاری زمینیں، بنک اور جنگلات وغیرہ ہر حکومت کا وفادار طبقہ شیرِ مادر سمجھ کر ہڑپ کر رہا ہے۔ اقتصادی [illegible] ناہمواری کی یہ کیفیت کسی ایک حکومت کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہر آنے والی حکومت نے اس کے تناسب میں اضافہ کیا ہے ۔ ع

خدا [illegible] ستاں تخت ہیں فطرت کی تعزیریں!

ایک طرف ملک کے [illegible] فی صد عوام جانکنی کی اس کیفیت میں ہیں دوسری طرف ہمارا جدید تعلیم یافتہ اور ملک کے اقتدار پر قابض مخصوص طبقہ (جو ہر دور میں شکلیں [illegible]) اپنے کھیل تماشے میں مصروف ہے تو ہمارا مذہبی طبقہ فقہی ضابطوں میں پھنسا ہوا ہے کہ کون سی چیز فقہی طور پر درست ہے اور کون سی نہیں ہے۔ کیا خوب فرمایا حضرت اقبال نے ۔

میں جانتا ہوں جماعت کا حشر کیا ہو گا

مسائلِ نظری میں الجھ گیا ہے خطیب!

آج نظریۂ ضرورت بُری طرح بدنام ہے اور بعض دانشور اور وکلاء دورگی

کوڑی لانے کے طور پر اسے اپنا کارنامہ قرار دے رہے ہیں مگر آج سے صدیوں پہلے فقہا نے ایسی ہنگامی صورت حال کے لیے جس طرح آج ہمارے ہاں درپیش ہے یہ نظریہ ضرورت الضروریات ''تبیح المحذورات'' (ضروریات ممنوعات کو مباح کر دیتی ہے) کے عنوان سے قائم کیا مگر طالع آزماؤں نے اسے صرف آمرانہ حکمرانوں کو دوام بخشنے کے لیے استعمال کیا۔

آخر یہ نظریۂ ضرورت ہم نے معاشی انصاف' اقتصادی مساوات' سستے اور فوری انصاف کے لیے کیوں استعمال نہیں کیا اسے جاگیرداری' سرمایہ داری' بے قید معیشت سود' سٹے بازی' جُوا' مزارعت' آڑھت' غیر حاضر زمیندار کے تصوّر کے خاتمے کے لیے اس سے فائدہ کیوں نہیں اٹھایا؟ اس کی وجہ سوائے اس کے اور کیا ہے

جانتا ہوں میں یہ اُمّت حاملِ قرآں نہیں
ہے وہی سرمایہ داری بندۂ مومن کا دیں
(اقبالؒ)

ہمیں اس بات کا علم ہے کہ اس تبدیلی کے لیے شیر کا دل اور چیتے کا جگر چاہیے۔ یہ ابن الوقت طالع آزماؤں اور کرسی کو سب کچھ سمجھنے والوں کے بس کی بات نہیں

زیں ہمرہانِ سست عناصر دلم گرفت
شیرِ خداو رُستم دستانم آرزو ست

اس کے لیے ایسے قائد کی ضرورت ہے جو ایسی صفات سے بہرہ ور ہو ؎

نگہ بلند سخن دل نواز، جاں پُر سوز
یہی ہے رختِ سفر میر کارواں کے لیے
(اقبال)

ہمیں یقین ہے کہ موجودہ فرسودہ باسی اور ردّ کردہ نظام کو ٹاکیاں لگا کر گانٹھنے سے یہ درست نہیں ہو سکتا یہ گل سڑ کر ناکارہ ہو چکا ہے اس کی صورت یہ ہو گئی ہے ع

تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم؟

اس کے لیے بقول شاہ ولی اللہ فکُّ کل نظام اس نظام کی جگہ نیا، طاقت ور، مستعد اور ملک کی اکثریت کے مسائل کے حل پر مبنی نظام لانا ہو گا ورنہ نتیجہ کچھ نہیں نکلے گا۔ اس لیے

بدلنا ہے تو مے بدلو نظامِ مے کشی بدلو
وگرنہ جام و مینا کے بدل جانے سے کیا ہو گا!



مجھے اس بات کا احساس اور ادراک ہے کہ مذہب کا نام لینے والوں کو صرف کھڈے لائن ہی نہیں لگایا گیا بلکہ انہیں شودروں کا درجہ دینے کی کوشش زوروں پر ہے انہیں اپنے مدارس، مکاتب، مساجد اور اسلامی شعائر کے ڈھانچے کو بچانا بھی بہت مشکل ہو رہا ہے، ساٹھ ۶۰ سال میں انگریز بہادر کے جانشین طبقے نے اپنی جگہ ایسے لوگوں کو لا بٹھایا ہے جو تحریکِ پاکستان کے

مقاصد سے بے خبر اسلامی طرزِ حیات سے بیگانہ اسلام کے لفظ سے الرجک اور پریشان نظری کا شکار ہو کر بھانت بھانت کی بولیاں بول رہا ہے لیکن آخر کوئی یہ بھی تو بتائے کہ ملک کے بڑے بڑے دینی اداروں نے سرمایہ داری جاگیرداری، سود، جوا، ظلم، ناانصافی، کرسی کے کھیل تماشے اور نام نہاد جمہوریت کے ناٹک کے برعکس اسلام کے فلاحی معاشرہ اور کفالت عامہ کے عظیم الشان پروگرام پر بین الاقوامی معیار کی مختلف زبانوں میں کتنی کتابیں چھاپی ہیں۔ میرے علم کے مطابق ایک بھی نہیں۔ اس کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے۔

اسی طرح جدید تعلیم یافتہ طبقے کا یہ جرم بھی کسی طرح قابل معافی نہیں کہ پچھلے پچاس سال سے ملک کے سیاہ و سفید کا مالک ہونے کے باوجود نہ صرف یہ کہ اس نے ملک کو اس کی اصل اساس سے دور کر دیا بلکہ اس نے رشوت، ظلم، ناانصافی، آمریت، طبقاتی کشمکش، امیر کو امیر اور غریب کو غریب تر کرنے کا ایک بے مثال [illegible] انجام دیا ہے۔

مختلف نسلوں اور زبانوں پر مشتمل اس ملک سے شعوری طور پر وہ لڑی نکال لی گئی جس نے اسے لڑی میں پرو کر قوم کی شکل دی تھی وہ لڑی اسلام کی ہے۔ اب قومیتوں کا جن بوتل سے باہر آیا ہے تو کسی کے قابو نہیں آ رہا۔

میری یہ کتاب عام معنوں میں کوئی باقاعدہ کتاب نہیں ہے جو اپنے

موضوع کا احاطہ کر رہی ہو۔ میرے نزدیک مسلمانوں کے دورِ ملوکیت سے
اب تک اسلام کا صرف ایسا چہرہ دکھایا جا رہا ہے جو سرمایہ داری اور جاگیر
داری کا محافظ، آمریت کا نگران اور بالادست طبقے کا معاون نظر آتا ہے
جب کہ واقعہ یہ ہے کہ قرآن مجید، سیرت نبوی اور اکابر صوفیہ کی زندگیاں ہمہ
قسم کی جاگیرداری، سرمایہ داری، ملوکیت، بندہ و آقا کے تصور اور امتیاز کی نفی
کرتی ہیں۔ میں [illegible] کہ اسلام کے حقیقی اور اصلی چہرے پر ہلکے
پھلکے انداز میں [illegible] کے ساتھ روشنی [illegible] تاکہ ملک کا نوجوان پڑھا
لکھا طبقہ بالخصوص مذہب کے بارے میں تحفظات رکھنے والے احباب اس
آفاقی دین کی جدت، ندرت اور انسانی مسائل کے حل کے بارے میں اس
کی انقلابی سوچ پر [illegible]۔ اسلام [illegible] دنیا اور اس کے مسائل سے زیادہ
بحث کرتا ہے اس کا تصورِ آخرت بھی دراصل مسائل دنیا کو حل کرنے کا
انقلابی تصور [illegible] کے بعد مذہبی
قیادت ناکارہ اور مفلوج ہو کر رہ گئی تو اس نے سارا زور دنیا کی تحقیر اور
آخرت کی تعظیم پر مرکوز کر دیا اس سے سارا علمی ذخیرہ متاثر ہوا اور ہر چیز نے
تقدس کا لبادہ اوڑھ لیا۔

سرورِ عالم ﷺ کی بعثت کا ایک مقصد دنیا سے قیصریت و کسرویت کا
خاتمہ تھا تاکہ انسانیت ان کے عہد کے ظلم و جور سے آزاد ہو اس لیے کہ اس
نے عوام کو معاشی، معاشرتی اور سیاسی اعتبار سے روند ڈالا تھا۔ سوشلسٹ

انقلاب کا بنیادی فلسفہ مارکسیت ایک کلی حقیقت کا جزوی ادراک ہے اگر ہم مادی فکر کا سرے سے انکار کر دیں تو گزشتہ دو سو سال میں ہونے والی ساری ترقی کا انکار لازم آتا ہے۔ اس مادی تصور کو ماننا پڑے گا مگر اسے حقیقۃ الحقائق نہ مانا جائے بلکہ مادہ سے آگے وجود کو تسلیم کیا جائے۔

سود معاشرے میں اس وقت استحصال کی سب سے بڑی شکل تھی۔ اسلام نے اسے ختم کرنے کے لیے جنگ کی دھمکی دی اسلام نے معاشی استحصال کرنے والوں کے خلاف بہت سخت زبان استعمال کی ہے۔

صدیوں کی بادشاہت اور ملوکیت نے مسلمانوں کو مزاجاً شاہ پرست اور ملوکیت نواز بنادیا ہے وہ اس کے سوا کچھ سوچ بھی نہیں سکتے اس کے نزدیک ایک بہتر سے بہتر حکمران بنو عباس، بنو امیہ کا کوئی فرد ہوسکتا ہے۔ حدّ یہ کہ جو اصلاحی تحریکیں اٹھیں، ان کا نتیجہ بھی ملوکیت کی صورت میں نمودار ہوا۔ سنوسی اور وہابی تحریکوں کی مثال ہمارے سامنے ہے، اس لیے عدل و مساوات، ملوکیت کی بالادستی کا خاتمہ اور "تمیزِ بندہ و آقا فسادِ آدمیت ہے" کے اصول آسانی سے مسلمانوں کی سمجھ میں بھی نہیں آتے۔

یہ بات ایک لمحے کے لیے بھی تسلیم نہیں کی جاسکتی۔ اللہ تعالیٰ نے ساری عقل اسلاف کو دے دی تھی اور اب صرف کور دماغ لوگ پیدا ہو رہے ہیں۔ یوں سمجھنا چاہیے کہ یہ ایسے اشارات ہیں جن کے پیچھے دلائل کے انبار ہیں۔ قرآنِ مجید سیرتِ نبوی، صحابہ اور اہلِ بیت کا عمل اور اکابر صوفیہ کا

طریقہ زندگی اسی حقیقت کا عکاس ہے۔ اس کتاب میں میرے وہ مضامین بھی شامل ہیں جو مختلف ادوار میں قومی اخبارات ورسائل میں شائع ہوئے میں نے ان پر نظر ثانی کی ہے۔ چند مزید چیزیں شامل کی ہیں۔ میری دانست میں ان کی اہمیت وضرورت اس سے آج کہیں زیادہ ہے۔ جو بیس ۳۰ سال پہلے تھی۔

اس کتاب میں میں نے ایک ایسا خط بھی شامل کیا ہے جو آج سے تقریباً پچیس ۲۵ سال قبل مجاہد اسلام مولانا عبدالستار خان نیازی کو لکھا گیا تھا۔ انہوں نے طویل جواب مرحمت فرمایا۔ یہ سوال وجواب اس دور میں لاہور کے ایک ادارے نے بڑی تعداد میں شائع کر دیا۔ چونکہ یہ خط میرے احساسات' مطالعے اوراس سے اخذ کردہ نتائج کا ترجمان ہے اس لیے اسے شامل کیا گیا ہے۔

اس سارے مواد سے میری غرض یہ ہے کہ ملک کا باشعور طبقہ بالخصوص پڑھے لکھے نوجوان انسان کے بنیادی یعنی اقتصادی اور معاشی مسئلے کے بارے میں اسلام کی انقلابی تعلیمات کا عام طور پر مخفی رہنے والا رُخ دیکھیں اور اسے سمجھیں اور یوں وہ اسلام کو روایتی مذہب سمجھ کر سبک روی کا نظارہ کرتے ہوئے نظر انداز کرنے کی بجائے اپنے مسائل کا بہتر سے بہتر حل اس کے اندر تلاش کریں۔ جاگیرداری اور سرمایہ داری میں تو انسانیت صدیوں سے پس رہی ہے مگر سوشلزم انتہائی دلفریب اور مسحور کن نعروں کے

ساتھ میدانِ عمل میں آیا۔ ہر چند سوشلزم ایک کلی حقیقت (اسلام) کا جزوی ادراک ہے۔ تاہم عملی دنیا میں وہ پچاس سال کا جھٹکا بھی برداشت نہ کر سکا۔ دنیا اسلام کے اس روشن اور تابناک چہرے کی رونمائی کی شدت سے منتظر ہے اور زبانِ حال سے کہہ رہی ہے۔

کب ڈوبے گا سرمایہ پرستی کا سفینہ؟
دُنیا ہے تری منتظرِ روزِ مکافات!

سیّد محمد فاروق القادری ایم۔اے
خانقاہ قادریہ شاہ آباد شریف'
گڑھی اختیار خان
۲۵/اپریل ۲۰۰۷ء
فون: ۰۳۰۰-۷۸۷۵۲۷
۰۶۸-۵۶۸۴۲۴۵

# نالۂ دل



معلوم انسانی تاریخ کے مطالعے سے یہ حقیقت ظاہر ہوتی ہے کہ کسی بھی سماج یا قوم کی بقا اور استحکام کا زیادہ تر دارومدار متوازن معاشی نظام پر ہوتا ہے جو سماج یا قوم کو کشمکش اور مایوسی کے زہر سے محفوظ رکھتا ہے۔ ایسا نظام جہاں ایک طرف افراد میں حب الوطنی اور وفاداری کا باعث بنتا ہے' وہاں انہیں قوم و ملک کے لیے زیادہ سے زیادہ ایثار قربانی اور جدّ و جہد پر ابھارتا ہے اور افراد کی مخلصانہ جدوجہد اقوام وممالک کی تعمیر و ترقی اور فلاح و بہبود کا باعث بنتی ہے۔

ایسا کبھی نہیں ہوا کہ ملت کے افراد تو زبوں حالی' معاشی ناہمواری اور سماجی ناانصافی کی چکی میں پس رہے ہوں اور اقوام وممالک ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہوں' یوں بھی جو شخص قدم قدم پر مایوسی کے کانٹوں کا شکار ہو اس سے وفاداری کی توقع رکھنا حماقت نہیں تو زیادتی ضرور ہے اس لیے کہ احساسِ محرومی ہی وفاداری کے جذبے کو مٹانے کا باعث بنتا ہے۔

## فطری نظامِ حیات

اسلام فطری نظام حیات ہے اس لیے اس نے اپنے آئین وضوابط کی کوئی شق ایسی نہیں رکھی جو فطرت کے تقاضوں اور تجربات کی کسوٹی پر پوری نہ اترتی ہو داعیِ اسلام محسنِ انسانیت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی اپنی زندگی اور زندگی بسر کرنے کے اصولوں کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے۔ انسان کی طبعی ضروریات اور فطری تقاضے اٹل ہیں، انہیں دلفریب باتوں اور مسحور کن فلسفوں سے نہیں ٹالا جا سکتا۔ چنانچہ اسلام نے انہیں نظر انداز کرنے کی بجائے مناسب اہمیت دی۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا:

کاد الفقر ان یکون کفرا ''افلاس انسان کو کفر والحاد کی طرف لے جاتا ہے''۔

چھٹی صدی عیسوی میں جب رومۃ الکبریٰ اور ایران کی عظیم مملکتوں (Super Powers) میں غربت، افلاس اور سماجی ناانصافی کو انسان کا مقدر بنا دیا گیا تھا، اور وہ اسے ایک ازلی اور ابدی قانون سمجھنے لگ گیا تھا، عرب کے خطے میں یہ پہلی انقلابی آواز تھی جس نے خلق اللہ کو نہ صرف جھوٹے معبودوں کے خلاف صف آرا کیا بلکہ انسان کو انسان کی غلامی سے نجات دلائی اور اعلان کیا ''قیصر روم کے بعد کوئی قیصر نہیں اور کسریٰ کے بعد کوئی کسریٰ نہیں''۔ [الحدیث]

## خلافتِ راشدہ کا مبارک دور

خلافتِ راشدہ کے دور میں معاشی مساوات اور سماجی انصاف کے اصولوں کی بالادستی قائم رہی اگر کہیں صدیوں کے جاہلی اثرات سے مغلوب ہو کر کوئی ناانصافی ہوئی تو خلافت کی طرف سے سخت باز پرس ہوئی اور پھر کسی کو جرأت نہ ہو سکی کہ وہ فطرت کے اصولوں سے انحراف کر کے معاشرے کے امن و سکون کو تباہ کر سکے۔ اس دورِ سعید میں اسلامی معاشرے کا مطلب ایک پُرامن پاکیزہ اور معاشی و سماجی ناہمواریوں سے پاک معاشرہ سمجھا جاتا تھا اور کوئی شخص تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ خدا کے سوا کوئی شخص دنیا کی کسی چیز کا بھی مالک ہے۔ وہ لوگ پیغمبر انسانیت ﷺ کی حیاتِ طیبہ کو دیکھتے تھے کہ آپ نے زندگی بھر کسی چیز کو اپنی ملکیت قرار نہیں دیا اور یہی اسوۂ حسنہ ہے جس کی اتباع اور پیروی مسلمانوں پر واجب قرار دی گئی ہے۔



## صدرِ اوّل کے مسلمانوں کی مزاحمت

صدرِ اول کے مسلمان جن قوتوں کے خلاف برسرِ پیکار تھے ان میں صرف وہ لوگ ہی نہیں تھے جو خدا اور رسول کا انکار کرتے تھے بلکہ وہ لوگ تھے جنہیں قرآن مجید مُترفین، مُسرفین، ظالمین اور جانے کن کن تہدید آمیز خطابات سے نوازتا ہے۔

## مُسرفین اور مُترفین کون ہیں

یہ مُترفین آج کی اصطلاح میں سرمایہ دار اور جاگیردار ہیں اور

مسرفین ومطالبین ان کا وہ عنصر جو اپنی بے پناہ دولت کو اس انداز میں خرچ کرتا ہے کہ اس سے طبقاتی کشمکش کی آگ تیز ہوتی ہے اور استحصال کا شکار ہونے والے انتقامی جذبات سے مغلوب ہونے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ یہاں اس حقیقت کی وضاحت کی چنداں ضرورت باقی نہیں رہتی کہ کسی بھی قوم میں برائی کو فروغ دینے اور نیکی کا راستہ روکنے میں جو طبقہ سب سے زیادہ فعال اور سرگرم رہتا ہے وہ مترفین اور مسرفین کا طبقہ ہے جو اپنی بے پناہ دولت کے نشے میں سرشار اور اپنے دنیاوی مفادات کا اسیر ہو کر ہر انقلابی صدا کو دبانے اور خاموش کرنے میں کوشاں رہتا ہے۔ قرآن مجید کی شہادت ملاحظہ ہو۔

قالوا یشعیب اصلوتک تامرک ان نترک ما یعبد اٰباؤنا او ان نفعل فی اموالنا ما نشؤا انک لانت الحلیم الرشید ○ (۱)

"انہوں (قوم) نے کہا [illegible] تھے یہ سکھاتی ہے کہ ہم ان [illegible] اپ [illegible] یا یہ کہ ہم اپنے مال میں اپنے منشاء کے مطابق تصرف کرنے کا اختیار نہ ہو؟ بس تو ہی ایک عالی ظرف اور راستباز آدمی رہ گیا ہے؟"

یہی وجہ ہے کہ صدر اول کی خلافت نے سب سے زیادہ زور اس طبقہ مترفین ومسرفین کے خاتمے پر دیا۔ تاریخ اسلام میں ایسی شہادتیں تو موجود ہیں کہ پہلے سے موجود بڑے بڑے خوشحال اور دولت مند افراد نے ہزاروں لاکھوں درہم ودینار فی سبیل اللہ خرچ کیے یا اپنی ساری جائدادیں

راہ خدا میں لٹا دیں مگر ایسی کوئی شہادت نہیں ملتی کہ کوئی شخص غربت اور مفلوک الحالی سے اٹھا اور طبقہ مترفین میں شامل ہو گیا ہو۔ اسلام کے اس مزاج کا اندازہ کرنے کے لیے یہی ایک واقعہ کافی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جو مکہ معظمہ میں ایک بڑے تاجر تھے خلیفہ بنے تو ایک کم آمدنی والے گھرانے کے سربراہ بن چکے تھے، جس کے پاس ضرورت سے زائد سرمایہ یا کسی چیز کی موجودگی کا تصور ہی محال تھا۔ یہی انداز تھا رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات اور اسوۂ حسنہ کا۔

## حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دورِ حکومت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دور مسلمانوں کی خوشحالی کا دور ہے لیکن اسے قوم اور ریاست کی خوشحالی کہا جا سکتا ہے، افراد یا کسی خاص طبقے کی خوشحالی کا تصور یہاں بھی [illegible] نے اس طرح کے طرزِ عمل کا [illegible] جس سے اسلام کے عمومی مزاج کی نفی ہوتی تھی، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا نوٹس لیا اور حضرت عیاض بن غنم کو انہوں نے بھیڑوں کا ریوڑ چرانے کی سزا دے کر واضح کیا کہ اسلام میں عہدہ، منصب یا دولت تفاخر یا طبقاتی سربلندی کا باعث نہیں اس لیے ایسی حرکتیں گوارا نہیں کی جا سکتیں۔

## مسلمانوں کی بدقسمتی

مسلمانوں کی بدقسمتی یا انسانیت کی بدنصیبی کہ خلافت راشدہ کا نظام

اپنوں کی سازشوں کا شکار ہوا۔ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی شہادت اور امام
حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت سے دستبرداری کے بعد ہمارا نظام حکومت و سیاست
خاندانِ نبوت کے فقر و استغنا کی بجائے قیصر و کسریٰ کی ثروت و حشمت اور
ملوکانہ اداؤں کا مظہر بن گیا۔ نانِ جویں کی جگہ شاہی دستر خوان بچھ گئے اور
بازوئے حیدر کے بجائے پرویزی حیلہ گری سے جاہ و پادشاہی کی حفاظت کی
جانے لگی۔ بنو امیہ کا پورا دورِ حکومت باستثنائے عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ
کے دورِ سعید کے سیاست میں پرویزی حیلہ گری اور فرعونی ظلم و استبداد،
معیشت و اقتصاد میں قارونی استحصال اور سرمایہ دارانہ مزاج اور معاشرت
میں عیش و عشرت کے فروغ کی الف لیلوی داستان ہے۔ جس نے مسلمانوں
کے پورے نظام سیاست و معاشرت و معیشت اور مذہب کے ساتھ ساتھ اخلاق کو
تباہ کر کے رکھ دیا۔ [illegible] اور ترغیب و
تحریص کی روایت ڈالی گئی [illegible] کا آغاز
بھی اسی دور میں ہوا۔ جب اقربا پروری کا دور دورہ ہوا تو [illegible] لوگوں کا
ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا جو لوگوں کے خون پسینے کی کمائی سے عیش کرتا اور
اسلام کے فقر پسندانہ مزاج کا مذاق اڑاتا۔

## معرکۂ کربلا کا اصل پس منظر

جو لوگ معرکۂ کربلا کو محض دو قبیلوں یا مخصوص انداز کی نیکی بدی
کی جنگ قرار دیتے ہیں انہیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ اس جنگ میں ایک

طرف نبوی فقر و درویشی کے نمونے تھے تو دوسری طرف قیصری جاہ و جلال اور قبائلی عصبیتوں کے نمایندے۔ اور اس طرح سے یہ کہنا کچھ نامناسب نہیں کہ دوسرے اسباب کے علاوہ اس موقع پر یزید کے خلاف خاندانِ نبوت کی جدوجہد کا ایک بڑا سبب اُس جاگیردارانہ، سرمایہ دارانہ، مُستبدانہ، مُترفانہ ظالمانہ اور آمرانہ ذہنیت کا مقابلہ کرنا تھا جو اسلام کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ بن رہی تھی۔ اس طرح [illegible] کے خلاف [illegible] کے اقدامات کا مقصد دراصل اس غریب [illegible] قرآن کا تحفظ [illegible] جس کے امین اور وارث تھے اور [illegible] رسول اکرم [illegible] سے [illegible] ملی تھی۔

**دو مختلف مکاتب فکر**

چنانچہ [illegible] بات [illegible] کے بعد اسلام پر ایک طرف سے [illegible] جاہلیت خالصہ نے ایک [illegible] عطا کیا گیا احادیث وغیرہ کا پورا ذخیرہ [illegible] پیغمبر اسلام ﷺ نے ارشاد فرمائی لا نورث ولا نورث ما ترکناہ فھو صدقۃ کی عملی تصویر اگر حضرت علی [illegible] کا گھرانا تھا تو اس کے مقابلے میں ذرائع رزق کو اپنی ملکیت سمجھنے والوں کی سربراہی یزید کے ہاتھ میں تھی۔ چنانچہ جب سیاسی میدان میں الفقر فخری کے وارثوں پر ذاتی ملکیت و تصرف کے نمایندوں نے فتح حاصل کی تو اسلام میں دو مکاتب فکر کی بنیاد پڑی۔ ان میں سے ایک سرکاری مکتب فکر تھا جس کی

نمایندگی یزید اور اس قبیل کے دوسرے فرمانروا کرتے تھے۔ اور دوسرا ادارہ روحانی لوگوں کا تھا جس کی رہنمائی کا شرف حضرت حسن بصریؒ کو حاصل ہوا۔ حضرت حسن بصریؒ حضرت علی ﷺ کے شاگرد اور ان کے علمی و روحانی جانشین تھے۔

## مسلمانوں کی عقیدت ومحبت کا محور

یہ ایک خوشگوار حقیقت ہے کہ چودہ سو سالہ اسلامی تاریخ میں مسلمانوں کی عقیدت و محبت کا محور وہی لوگ رہے ہیں جنہوں نے دوسرے مکتب فکر سے اپنا رشتہ جوڑا ہے اس لیے یہ بات پورے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ بڑے بڑے جابر حکمرانوں کی کوششوں کے علی الرغم نجی ملکیت کے تصور اور ملوکیت کے انداز کو عوامی سطح پر پذیرائی حاصل نہیں ہوسکی اور جو شخص بھی مالک الرقاب افراد کے جس قدر قریب رہا وہ عامۃ المسلمین کے دلوں سے دور اور جو حکمرانوں سے دور رہا وہ مسلمانوں کے دلوں پر حکومت کرتا رہا۔ خانقاہی نظام کی پذیرائی کی وجہ رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ اور ذاتی زندگی پر عمل کی وہ بہترین مثالیں ہیں جو ان خدامست درویشوں نے پیش کیں۔ اسے ملوکیت کے مقابلے میں ایک متوازی نظام بھی کہا جاسکتا ہے اور کسی مہذب معاشرے کیلئے یہ بات باعثِ فخر نہیں ہوسکتی کہ وہاں دو متوازی نظام چل رہے ہوں لیکن ایسے غیر مہذب معاشرے سے جہاں یا تو انارکی اور طوائف الملوکی ہو یا پھر مستبدانہ نظامِ حکومت ہو جس میں انسانوں

کے بنیادی حقوق ہی سلب ہو کر رہ گئے ہوں' ایسا معاشرہ بہر حال اچھا ہے جہاں قانون کی حکمرانی بھی موجود ہو اور اس میں اعلیٰ تصورات کے حامل معاشرے کی علامات بھی پائی جاتی ہوں۔

## مسلمانوں کی خوش قسمتی

مسلمان اس لحاظ سے خوش قسمت ہیں اور ان کی سوجھ بوجھ کی داد دینا پڑتی ہے کہ ایک طرف انہوں نے برے بھلے قانونی ڈھانچے کو بھی برقرار رکھا تاکہ معاشرے میں مرکزیت موجود رہے دوسری طرف ان کے آئیڈیل معاشرے کے نمونے بھی ان کی عقیدت و محبت اور اصل توجہ کا مرکز رہے۔ حضرت حسن بصری' شیخ عبدالقادر جیلانی' شیخ شہاب الدین سہروردی' خواجہ معین الدین اجمیری' خواجہ بہاء الدین نقشبند رحمہم اللہ ایسے بزرگان دین کی فقر و درویشی' توکل و قناعت' صبر و شکر' خدمت خلق' عجز و انکسار' ایثار و قربانی' جود و سخا اور "غم نیچ نداریم کہ نداریم ہیچ" سے معمور زندگیاں اسی تصوراتی اور گم گشتہ معاشرے کی علامت ہی تو تھیں۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ مسلم معاشرے میں تاریخی تسلسل بھی مفقود نہ ہوا اور وہ اعلیٰ و ارفع نصب العین یعنی خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کو بھی فراموش نہ کر سکے۔

## مسلمانوں کا مثالی نظام حکومت

آج خلافتِ راشدہ کے نظام کو ختم ہوئے چودہ ۱۴ صدیاں بیت گئیں لیکن مسلمان ہر جگہ خلافتِ راشدہ کے قیام کے سلسلے میں سرگرم عمل

ہیں۔ یہ دو متوازی نظام مسلسل بارہ صدیوں تک چلتے رہے۔ ایک طرف مضبوط، منظم اور خوشحال حکومتیں قائم رہیں جو تھیں تو مسلمانوں کی حکومتیں لیکن چونکہ یہ شخصی حکومتیں تھیں اور ان میں اسلام کے نظام سیاست و معیشت کی بالادستی نہیں کی جاتی تھی اس لیے انہیں اپنی حکومتیں سمجھتے ہوئے بھی اپنا آئیڈیل تسلیم نہیں کرتے تھے۔ مسلمانوں کی چودہ سو سالہ تاریخ میں ایسے حکمران تو بکثرت آئے جو ذاتی طور پر نیک طینت اور خدا ترس تھے لیکن چونکہ ان کا نظام ذاتی حاکمیت پر مبنی تھا اس لیے وہ خلیفہ راشد قرار نہ پا سکے۔ ہاں وہ لوگ جنہیں دلوں کی حکمرانی حاصل تھی انہیں مسلمانوں کی غیر مشروط حمایت و محبت ملی ان کے ہاتھ پر لوگ بیعت بھی ہوتے انہیں عقیدتوں اور محبتوں کے خراج بھی ملتے اور وہ محمد رسول اللہ [illegible] علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے خلیفہ بھی قرار پائے۔ یہ [illegible] عظیم [illegible] محمد بن قاسم کی آمد سے بھی پہلے قائم ہوا [illegible] تک پہنچے اور انہوں نے اسلام کا پیغام [illegible] تک پہنچایا۔ مغلوں کی سلطنت کا خاتمہ ہوا اور ہندوستان پر انگریز قابض ہوئے تو یہ نظام بھی تہ و بالا ہو گیا اس کے کئی اسباب تھے۔

## خانقاہی نظام کی تباہی کے اسباب

○ انگریزوں نے خانقاہی نظام کی قوت کا اندازہ کرتے ہوئے اس کے خاتمے کے لیے کئی تدبیریں کیں ان میں سے ایک بڑی اور موثر تدبیر یہ

اختیار کی گئی کہ خدامست درویشوں کے مقابلے میں ایسے جاہل' بدکردار اور دنیا پرست افراد نظام خانقاہی میں داخل کیے گئے جو اس نظام کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ تھے۔ چنانچہ ان کی بداعمالیوں سے نفرت بڑھی تو خانقاہی نظام سے عوام کا رابطہ بھی کمزور پڑنے لگا۔

○ ایسے لوگوں کو جو بعض بڑے بڑے صوفیہ اور مشائخ کے خانوادوں سے تعلق رکھتے تھے، رشتے کی بنیاد پر سجادہ نشین تسلیم کیا گیا۔ حالانکہ مسلمانوں کے نظام حکومت سے لوگوں کا اعتبار بھی اس وقت اٹھ گیا تھا جب نسبی رشتے خلافت کے لیے [illegible] استحقاق بنے تھے۔ انگریزوں نے بڑے سلیقے سے ملوکیت کا [illegible] موروثی حکومت (جس میں باپ کے بعد بیٹا ہی مستحق حکومت [illegible] وہ کیسا ہی احمق' جاہل اور بدکردار کیوں نہ ہو) خانقاہوں میں [illegible] دنیا [illegible] مسلمانوں کا جو ذہنی بعد مسلمان [illegible] درویشوں اور نام نہاد مشائخ سے بھی پیدا ہو گیا۔

○ انگریزوں نے عامۃ الناس کو خانقاہی نظام کے وارثوں سے اور زیادہ دور کرنے کے لیے مشائخ کو جاگیریں اور جائدادیں الاٹ کیں اور انہیں سرمایہ پرستی کی لعنت میں مبتلا کیا۔ اب اولیاء اللہ کے ان وارثوں کے پسندیدہ اشغال عبادت و ریاضت' خدمت خلق اور جہاد نفس کے بجائے خوب صورت بنگلے' خدمت گزاروں کی فوج ظفر موج اور لذت کام و دہن

کے اسباب قرار پائے۔ چنانچہ اب ان نام نہاد مشائخ کا وظیفۂ حیات سرکار دربار تک رسائی ہوگیا۔

## ہر بُوالہوس نے حسن پرستی شعار کی

دوسرے مرحلے پر حکومت نے یہ اہتمام کیا کہ بزرگانِ دین کے مزارات کے لیے بھی بڑی بڑی جاگیریں وقف کردیں چنانچہ اب ان جائدادوں اور جاگیروں سے منفعت حاصل کرنے کے لیے سجادہ نشینی کی دوڑ شروع ہوئی۔ ہر بُوالہوس نے حُسن پرستی شعار کی تو مزارات کا تقدس، بزرگوں کی تعلیمات اور خانقاہی نظام کی انفرادیت ''قصۂ پارینہ بن گئی۔ اب پیرانِ عظام خدا تک رسائی کا ذریعہ نہیں سرکار انگلشیہ میں حاجت برآری کا وسیلہ بن گئے۔ اب یہ خدا کے سامنے تو سال میں بہ مشکل ایک آدھ دفعہ' البتہ ڈپٹی کمشنر' ایس پی' گورنر بہادر اور دوسرے سرکاری عہدیداروں کی بارگاہ میں ماہ بہ ماہ سجدہ ریزی ضروری خیال کرتے۔ چنانچہ جس طرح کسی زمانے میں مسلمان حکمرانوں تک عامۃ الناس کی رسائی مشکل تھی اب ان ''باخدا'' بزرگوں سے ملنا اس سے زیادہ مشکل ہوگیا۔ اور جو بُرائیاں مسلمان حکمرانوں سے خلقِ خدا کے بُعد کا باعث بنی تھیں' ان ''بزرگوں'' نے انہیں اپنا کر اپنے آپ کو لوگوں کی نفرت کا نشانہ بنا لیا۔ اب یہ نام نہاد ''مشائخ'' اللہ کے ولی (دوست) نہیں سرکار دولت مدار کے ایجنٹ تھے جو حکومت کے استحکام کے لیے غیر انسانی حرکات تک سے گریز نہ کرتے۔

○ غیر ملکی آقاؤں نے یہ قلعہ فتح کر لینے کے بعد ملکیت کا وہ تصور پیش کیا جسے مسلم عوام نے کبھی قبول نہیں کیا تھا۔ اب زمین کا مالک خدا نہیں بندے تھے، ذرائع پیداوار خدا کی امانت نہیں، بلکہ حکمرانوں کی عنایت تھے اور جن لوگوں پر یہ عنایت ہو جاتی وہ اپنے آپ کو مالک ہفت اقلیم سمجھتے، اب حکمرانوں نے تین بڑے طبقے پیدا کیے۔

## انگریز کے پیدا کردہ تین طبقے

ان تین طبقوں کا وظیفۂ حیات انسانوں پر ظلم اور حکمرانوں کی غیر مشروط حمایت تھا۔ یہ طبقے تھے۔ (۱) جاگیردار (اس میں سرمایہ دار، صنعت کار سب شامل ہیں) (۲) سجادہ نشین (اس طبقے کی تشریح گزر چکی ہے۔ (۳) اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ جو مسلم تاریخ معاشرت اور طرزِ حیات سے یکسر بیگانہ تھا۔ اوّل الذکر: طبقے نے خدا کی زمین پر اپنا غاصبانہ قبضہ قائم کیا۔ ثانی الذکر: نے عیاری اور مکاری کو طبیعت ثانیہ بنایا اور تیسرے طبقے نے اس نظام تعلیم کے فروغ کے لیے اپنی کوششیں شروع کر دیں جس کا وہ پروردہ تھا۔ نظام تعلیم کی یہ عمارت مسلمانوں کو اپنے شاندار ماضی سے یکسر بیگانہ کرنے کے لیے کھڑی کی گئی۔ انگریزوں کے نظام تعلیم نے مسلمانوں کو یک لخت جہالت کی پستیوں میں ڈال دیا۔ اب برعظیم کے مسلمانوں میں شاہ ولی اللہ اور علامہ فضل حق خیر آبادی ایسے نابغۂ روزگار اور دیدہ ور نہیں۔ دفتروں کے کلرک اور بابو ٹائپ لوگ پیدا ہونے لگے۔ مسلمانوں کی عربی و فارسی سوائے دینی

معمولات کی ادائیگی کے اور کسی کام کی نہ رہی۔ حدّ یہ ہوئی کہ سجادہ نشین حضرات نے بھی اپنے بچوں کو انگریزی اسکولوں کے سپرد کیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اسلامی درس گاہوں کے سخت تربیتی نظام سے بالغ نظر اور خادم انسانیت بن کر آنے والے حضرات کی بجائے کالجوں سے آنے والے افراد انسانوں پر فرمانروائی اور "ہمچو ما دیگرے نیست" کی تربیت لے کر میدانِ عمل میں آنے لگے۔ چنانچہ وہ رنگ سراسر مفقود ہو گیا جس نے خانقاہی نظام کو ایک متوازی نظام کا درجہ دے رکھا تھا۔

## طبقۂ علماء

○ آخری چارۂ کار کے طور پر مسلمانوں نے علماء سے رجوع کیا لیکن اُن کی اکثریت بھی ماضی پرستی کے خول میں گرفتار تھی یا پھر اس قدر متجددانہ خیالات کی حامل کہ دین ایک میکانکی سسٹم بن کر رہ جائے۔ ایک طرف علماء کا وہ طبقہ تھا جو ہر دور کے حکمرانوں کی ہاں میں ہاں ملانا اپنا فرض سمجھتا رہا اور دوسری طرف وہ لوگ جن کے خیالات جامد اور عمل طبقۂ مُترفین و مُسرفین کے ناپسندیدہ کردار کی تائید و تصویب سے داغدار تھا۔

فقہ اسلامی کا جو ذخیرہ ہمیں آج ملتا ہے وہ ہمارے فقہا کی ریاضتوں کی گواہی دیتا ہے لیکن یہ اپنے اپنے دور کے مجموعہ ہائے قوانین علماء کی سہل انگاری کے باعث ہر دور کے لیے ضروری احکامات قرار پائے تو اُمت پر ایک طرح کی مشقت اور جبری تقلید کا تسلّط قائم ہو گیا ان بزرگوں کی ماضی

پرستی نے خیالات پر فتووں کے پہرے بٹھا دیے اور تحقیق و اجتہاد کی ٹھنڈی ہواؤں کے جھونکوں سے اُمتِ مُسلمہ کو اس حد تک محروم کر دیا کہ ماحول متعفن ہو کر رہ گیا۔ تنگ نظری، ماضی پرستی، اندھی تقلید اور اس طرح کی دیگر خرافات کو تقدس عطا کر دیا گیا اور تحقیق و تفحص، حالات زمانہ کی رعایت اور اسلام کے عمومی مزاج سے اس حد تک صرف نظر کیا گیا گویا یہ چیزیں کسی اور آسمان کی مخلوق ہیں۔ ان کے نزدیک اسلام کی جو تشریح دورِ ملوکیت میں ہوئی اُسے نہ تو رسول اللہ ﷺ کے عمل سے باطل کیا جا سکتا ہے اور نہ عصری تقاضے ان پر حرفِ تنسیخ کھینچ سکتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جو مسلمان ہزار سال تک اپنے حکمرانوں کے غیر اسلامی قوانین کی مزاحمت کرتے رہے، انگریزی قوانین کی متابعت پر مجبور ہو گئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اسلامی قوانین کے نام سے جو کچھ ان کے سامنے پیش کیا جا رہا تھا نہ تو وہ ان کے دینی مزاج سے لگا کھاتا تھا اور نہ اُسے رسول اللہ ﷺ کے انقلابی پیغام سے کوئی مناسبت تھی۔ اس کے علاوہ یہ اُن کے مسائل کا حل بھی نہیں تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ ان قوانین مثلاً ملکیت، مزارعت، کرایہ داری، معاشی درجہ بندی وغیرہ کو تسلیم کر لینے سے نہ تو اُن کی عاقبت سنور سکتی ہے اور نہ مسائل حیات حل ہو سکتے ہیں۔ پھر کیوں نہ حکومتِ وقت کے اُن قوانین کو ہی تسلیم کر لیا جائے جن سے کم از کم فانی زندگی کے مسائل تو حل ہوتے ہیں۔

انہوں نے ملکیت زمین کے تصور کو دل سے تو قبول نہ کیا ہر طرف

سے مایوس ہو کر اس کی راہ میں مزاحم بھی نہ ہوئے۔ جب انگریزوں نے دیکھا کہ تختِ سلطنت سے لے کر محراب و منبر تک ہر جگہ خدا کی بجائے انسان کی ملکیت اور قرآن و سُنّت کی بجائے دورِ ملوکیت کے قوانین کا فسوں اپنا اثر دکھا چکا ہے تو انہوں نے باطل نظام کا نفاذ شروع کیا۔ لیکن مسلمانوں کے اجتماعی ضمیر نے جھرجھری سی لی اور ۱۸۵۷ء میں پہلا معرکہ بپا ہوا، جس کا مقصد نہ تو بادشاہت کا دفاع تھا اور نہ ملوکیت زدہ قانونی مُعاشرے کی بقاء، بلکہ یہ ایک ایسی انقلابی کوشش تھی جو اگر کامیاب ہو جاتی تو جہاں ایک طرف بادشاہت اور ملوکیت سے مسلمانوں کو نجات مل جاتی وہاں دوسری طرف انگریز کا سرمایہ پرستانہ نظام بھی اس خطے میں اپنی جڑیں قائم نہ کر سکتا۔

## ہزار سالہ غلطیوں کا نتیجہ

ایک ہزار سالہ غلطیوں کا نتیجہ بندوق اور تلوار کی جنگ کی صورت میں ظاہر ہوا اور ظاہر ہے فتح بندوق کو حاصل ہوئی کہ زمانے کی رفتار کا ساتھ بندوق ہی دے رہی تھی نہ تو کند تلواریں بندوق کا مقابلہ کر سکتی تھیں اور نہ حکمتِ عملی کا مقابلہ ختمِ بخاری اور امام ضامن کر سکتا تھا۔ جس طرح روحانی مسائل میں مادی وسائل کام نہیں دیتے اسی طرح خالصتاً مادّی معاملات میں صرف اور صرف روحانی وسائل پر بھروسا کرنا بھی چنداں فائدہ مند ثابت نہیں ہوتا۔

## تحریک آزادی کے بعد

۱۸۵۷ء کی انقلابی تحریک ناکام ہوئی تو انگریز کے لیے راستہ صاف

تھا۔ اب قاضی کورٹ برخاست ہوئے' بندوبست اراضی ازسر نو کیا گیا اور اپنے پالتو افراد کو بڑی بڑی جاگیریں اور جائدادیں عطا کر کے عامۃ الناس کی گردنوں پر سوار رہنے کا طویل منصوبہ ترتیب دیا گیا۔ برعظیم کے مُسلمانوں پر نکبت و ادبار کا یہ دور تاریخ کا خونچکاں باب ہے۔ ایک طرف غیر ملکی حکمران ان کے ذہنوں پر شب خون مار رہے تھے اور دوسری طرف ہندو بنیا ان کے معاشی استحصال میں مصروف تھا۔ مُسلمان چکّی کے دو پاٹوں میں پس رہے تھے' لیکن ان کے حواس بجا تھے اور وہ اپنے قافلہ سالاروں سے مایوس ہو کر بھی جِدّوجہد کا راستہ ترک کرنے پر تیار نہ تھے۔

## عوامی سوچ اور مذہبی حلقے کی کارگزاری

ایک طرف عوام کی سوچ کا انداز یہ تھا اور دوسری طرف ہمارے مذہبی حلقے انگریزوں کے بندوبست اراضی' قانونِ شُفعہ' تصوّرِ ملکیت اور اس طرح کے غیر اسلامی اقدامات کے جواز دورِ ملوکیت میں مرتّب کردہ مسلمانوں کی فقہ میں تلاش کرنے کا کارِ بے خیر کر رہے تھے۔ ان کے ہاں رسول اللہ ﷺ کی ذاتی زندگی' صحابۂ کرام کی اکثریت کا اختیاری فقر' طبقۂ مُترفین کے خلاف ابُوذر غفاریؓ کا احتجاج' اور امام ابُوحنیفہؒ کا مزارعت کے خلاف تاریخی فتویٰ تو نمونۂ عمل نہ تھا اور نہ اس قابل کہ معاشی قوانین کی بنیاد بن سکے۔ البتہ بنواُمیّہ کی نسبی وراثت اور بنوعبّاس کی عیش وعشرت سے معمور زندگی اور اُس دور کے قوانین نہ صرف غیر متبدل تھے بلکہ اُن کو عصری تقاضوں

کے مطابق ڈھالنا بھی الحاد اور بے دینی کی روش تھی' جس پر چلنا گویا دین سے انحراف اور اسلام سے قطع تعلق کے مترادف تھا۔

ایسے ماحول میں اس بات کی ضرورت تھی کہ اسلام کے معاشی اور سماجی انصاف پر مبنی تصورات کا خاکہ اُمت کی نظروں سے اوجھل نہ ہونے پائے کیونکہ اگر ایسا ہو جاتا تو ٹھیک اسی دور میں شمال کی طرف سے اُٹھنے والے کمیونزم کے طوفان سے اُمت کی کشتی کو بچانا مشکل ہو جاتا جو معاشی انصاف کا مسحور کن نعرہ دے کر لوگوں کے ایمان اور قومی تشخص کا خاتمہ کرنے کے لیے برعظیم کی طرف بڑھ رہا تھا۔ یہ خطرہ تو نہیں تھا کہ مسلمان ہندو تہذیب یا انگریزی قوانین کو اقدارِ حیات کے طور پر قبول کر لیں گے مگر اس امر کی گنجائش موجود تھی کہ مسلمان اسلام کی مرتب تعلیم و تشریح سے مایوس اور میکانکی انداز کے مذہب یا نعوذ باللہ بدلتے ہوئے حالات کے تحت دین سے منہ موڑ کر کاد الفقر ان یکون کفرا (تنگ دستی کا انجام کفر ہے) کے عملی اظہار پر مجبور ہو جائیں۔ علمائے دین مایوس تھے خلافت کا نظام تلپٹ ہو چکا تھا اُمت واحدہ اُمت متفرقہ میں تبدیل ہو چکی تھی اور ملک پر ایک غیر قوم مسلط تھی۔

ایسے حالات میں اُمت کی کشتی کو انگریزی اقتدار کی موجوں اور کمیونزم کی بادِ مخالف کے جھونکوں نے ڈانواں ڈول کر رکھا تھا' خدشہ تھا کہ انگریزی اقتدار کی موجیں اس کا کچھ نہ بگاڑ سکیں تو بھی کمیونزم کی آندھی اس کا رُخ اصل منزل سے ہٹانے میں ضرور کامیاب ہو جائے گی۔ ایسی صورت

میں ملت اسلامیہ اس انجام سے دوچار ہوتی جس سے تاشقند و بخارا کے
مسلمان ہوئے تھے۔ تاشقند و بخارا اور وسطی ایشیا کے دوسرے مسلم علاقے
تہذیب و تمدن اور اسلامی علوم کے مراکز تھے۔ ایک زمانے میں یہاں سے
ایسے ایسے اعاظم رجال پیدا ہوئے جن کے وقیع علمی کارنامے آج تک
خراج تحسین حاصل کر رہے ہیں۔ یہاں کے علمی ادارے دنیا بھر کی توجہ کا
مرکز بنے رہے لیکن جب ان کے خلاف کمیونزم نے سر اٹھایا تو مسلم
عوام نام نہاد مشائخ کی جہالتوں اور علماء کے جامد تقلید سے اس قدر تنگ
آئے ہوئے تھے کہ وہ اس کا مقابلہ کرنے سے قاصر رہے اور آج مسلمانوں
کے یہ عظیم مراکز اور ان علاقوں کے مسلمان جس قسم کے حالات سے دوچار
ہیں ان کی وضاحت کی چنداں ضرورت نہیں۔

## قدرت کا عظیم احسان

برعظیم میں اگر یہ صورت حال پیدا نہیں ہوئی تو اسے قدرت کا
احسان عظیم سمجھنا چاہیے کہ اس قوم میں علامہ اقبال، محمد علی جناح، محمد علی
جوہر اور حسرت موہانی ایسے افراد پیدا ہو گئے جنہیں ایک طرف سرمایہ دارانہ
نظام کی خرابیوں کا احساس تھا، تو دوسری طرف وہ کمیونزم کے مذہب دشمن
رویے سے بھی اچھی طرح آگاہ تھے۔ چنانچہ انہوں نے عصری تقاضوں کے
مطابق اسلام کے منصفانہ نظام کا خاکہ پیش کیا جس نے قوم کی مایوسی کو حوصلے
اور عزم میں بدل دیا۔ ان رہنماؤں نے اپنی فکری اور عملی صلاحیتیں بروئے

کار لاتے ہوئے مسلمان قوم کو یہ باور کرایا کہ اس ملک کے مسائل اور مسلمانوں کی مشکلات کا واحد حل ایک ایسی ریاست کا قیام ہے جس میں اسلام کا منصفانہ نظام نافذ کیا جا سکے۔ یہ تجربہ گاہ اپنی کامیابی کی صورت میں پوری دنیا کے مسلمانوں کو ملتِ واحدہ میں بدلنے کا ذریعہ بنے گی۔

## مطالبۂ پاکستان کی عوامی پذیرائی

اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ مطالبۂ پاکستان کی عوامی پذیرائی دراصل ایک منصفانہ مُعاشرے کے قیام کی خواہش کا مظہر تھی۔ برعظیم پاک و ہند کے مسلمان سمجھتے تھے کہ پاکستان کی شکل میں ایک ایسی ریاست نصیب ہوگی جہاں:

- مذہبی طور پر وہ آزاد ہوں گے اور اپنے دینی معمولات کی ادائیگی میں انہیں کسی قسم کی پابندیوں سے گزرنا نہیں پڑے گا۔
- وسائلِ رزق سب لوگوں کے لیے یکساں طور کھلے ہوں گے اور کسی فرد یا طبقے کو یہ حق حاصل نہیں ہوگا کہ وہ اللہ کے ان عطیات کو استحصال کا ذریعہ بنالے۔
- سماجی انصاف پر مبنی ایسے معاشرے میں انہیں انسانی عزت و وقار حاصل ہوگا اور وہ آزاد اور خوشحال زندگی بسر کر سکیں گے۔
- یہ ریاست، ملوکیت، جبر و استبداد، آمرانہ طور طریقوں، ظالمانہ مزاج کے نظامِ سرمایہ داری کا قبرستان ثابت ہوگی اور یہاں خلافت علیٰ منہاج

النّبوۃ کا قیام عمل میں آئے گا جو صدیوں سے مسلمانوں کا نصب العین چلا آ رہا ہے۔

## قیامِ پاکستان میں قربانی دینے والے اور اس کی راہ میں رکاوٹ بننے والے کون لوگ تھے

یہی وجہ ہے کہ تحریک پاکستان میں قربانیاں دینے والے عام مسلمان تھے اور اس مطالبے کی راہ میں رکاوٹیں ڈالنے والے وہی مُترفین، ظالمین اور بڑے بڑے سرمایہ دار اور جاگیردار تھے جو ہر انقلابی صدا کا گلا گھونٹنے کے لیے ہمیشہ چوکس رہتے ہیں۔ مسلمانوں کے سب سے بڑے صوبے پنجاب میں مطالبۂ پاکستان کو جن گوناں گوں مشکلات کا سامان کرنا پڑا وہ جاگیرداروں کی جماعت یونینسٹ پارٹی کی پیدا کردہ تھیں اور پورے ملک میں ایک طرف مسلمان عوام پاکستان کے حق میں پُرجوش تھے تو بڑے بڑے طرم خان اس کی مخالفت میں کمربستہ، کیونکہ جہاں مُسلم عوام پاکستان کا مطلب ایک ایسی ریاست کا قیام سمجھتے تھے جو ان کی مذہبی آزادی اور معاشی استحکام کا موجب ثابت ہوگی اور جس میں مذہبی، سیاسی، معاشی اور معاشرتی استحصال کا خاتمہ ہوگا وہاں ظالمین کا یہ طبقہ اسے اپنی موت سمجھتا تھا۔

بالآخر مسلم عوام کی قربانیاں رنگ لائیں اور 14 / اگست کو پاکستان کا قیام عمل میں آیا۔ بانیٔ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی نشری تقریر میں قیامِ پاکستان کے جن مقاصد کا اعلان کیا ان میں طبقاتی اونچ نیچ کے

خاتمہ کو خاص اہمیت دی گئی تھی انہوں نے اسلام کے منصفانہ نظام کے نفاذ کی بات کر کے پاکستان کے سیاسی اور معاشی نظام کی واضح نشاندہی کر دی۔ قائدِ اعظم نے اسٹیٹ بنک آف پاکستان کا ۱۵/ جولائی ۱۹۴۸ء کو افتتاح کرتے ہوئے برملا فرمایا:

"مغرب کے معاشی نظام نے انسانیت کے لیے لاینحل مسائل پیدا کر دیے ہیں اور اکثر لوگوں کی رائے ہے کہ مغرب کو تباہی سے کوئی معجزہ ہی بچا سکتا ہے۔ اگر ہم نے مغرب کا معاشی نظریہ اور نظام اختیار کیا تو عوام کو پرسکون خوشحالی حاصل کرنے کے نصب العین کی تکمیل میں ہمیں کوئی مدد نہیں ملے گی اپنی تقدیر ہمیں اپنے منفرد انداز میں بنانی پڑے گی۔ ہمیں دنیا کے سامنے ایک مثالی معاشی نظام پیش کرنا ہے جو انسانی مساوات اور معاشرتی انصاف کے سچے اسلامی تصورات پر قائم ہو۔"(۲)

اب توقع تھی کہ مسلمانوں کو سکھ کا سانس لینا نصیب ہوگا اور وہ اپنی اقدارِ حیات اور مقصد کے مطابق [illegible] ہو جائیں گے۔ اگر قیامِ پاکستان کے فوراً بعد اس سلسلے میں پیش رفت ہوتی تو بالکل ممکن تھا کہ یہ ملک سماجی انصاف پر مبنی ایک خوشحال ریاست بن جاتا لیکن
ع اے بسا آرزو کہ خاک شدہ' اب اس نوزائیدہ اسلامی ریاست پر تین اطراف سے حملہ ہوا۔

## نوزائیدہ اسلامی ریاست پر تین اطراف سے حملہ

- تحریک پاکستان کو کامیابی سے ہمکنار ہوتے دیکھ کر بڑے بڑے جاگیردار، سرمایہ دار اور دوسرے استحصالی طبقوں کے نمائندے مسلم لیگ میں شامل ہو گئے جنہوں نے قیام پاکستان کے فوراً بعد اپنی مخصوص ریشہ دوانیوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ چنانچہ ان لوگوں نے مسلم لیگ کی قوت کو اپنے مفادات کے حق میں استعمال کیا اور نتیجتاً بددیانتی، استحصال اور طبقاتی کشمکش کا آغاز ہو گیا۔
- قوم نے قیام پاکستان کے سلسلے میں جان، مال، عزت اور آبرو کی قربانی دی تھی۔ ایثار کے عظیم مظاہرے دیکھنے میں آئے تھے، لیکن قیام پاکستان کے فوراً بعد الاٹمنٹوں کا چکر چلا کر ایثار و قربانی اور قناعت و توکل کی بجائے ہوس مال و زر کی آبیاری کی گئی۔ چنانچہ وہ جذبہ ہی فنا ہو گیا جس نے انگریز اور ہندو کی مشترکہ قوت پامال کر کے رکھ دی تھی۔
- اسلام کے بعض نادان دوستوں نے نظریۂ پاکستان کو صرف مذہبی آزادی تک محدود کر کے اسلام کے عادلانہ معاشی اور سماجی نظام کے تصور کو دھندلا دیا۔

## یہ حملہ کامیاب کیوں ہوا

یہ حملہ اس لیے کامیاب رہا کہ قائداعظم کی زندگی نے وفا نہ کی جب کہ لیاقت علی خان کو ہلاک کر دیا گیا۔ اُن کی شہادت میں بھی انہی طبقوں کا ہاتھ

تھا۔ کیونکہ لیاقت علی خان نے ایک بڑے فیوڈل لارڈ ہونے کے باوجود کراچی میں جس قسم کی سادہ اور تکلفات سے عاری زندگی کا آغاز کیا تھا' اس سے ان طبقوں کو کئی خدشات لاحق ہو گئے تھے۔ گو لیاقت علی خان سے کسی انقلابی اقدام کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی' لیکن قائداعظم کے مخلص ساتھی ہونے کے ناتے وہ بہر حال اُن مقاصد سے انحراف کے نہیں سوچ سکتے تھے، جو قیام پاکستان کا جذبہ محرکہ تھے۔

## لیاقت علی خان کے بعد حکومتوں کا عمومی مزاج

لیاقت علی خاں مرحوم کی شہادت کے بعد قائم ہونے والی حکومتوں کا عمومی مزاج تحریکِ پاکستان کے مقاصد سے کوئی مطابقت نہیں رکھتا' اس کے علاوہ سیاسی جماعتیں بھی کُرسی کے کھیل میں اس قدر محو ہو گئیں کہ عوام کے مسائل کا حل اور اسلامی نظام کا قیام قصۂ پارینہ بن کر رہ گئے۔ مختلف حکومتوں نے مختلف اوقات میں جو اقدامات کیے وہ عوام کے بجائے ایک مخصوص طبقے کے مفادات کی حفاظت کا ذریعہ بن گئے۔ چنانچہ رشوت' سفارش' اقربا نوازی' بددیانتی' اسلامی اقدار اور تعلیمات سے صریح انحراف اور سرمایہ دارانہ طرز زندگی کو فروغ حاصل ہوا اور قوم اور مُعاشرہ آہستہ آہستہ اس منزل کی طرف بڑھنے لگے جسے قرآن نے ان الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ

## ظالمین اور مُسرفین کے نئے نئے چہرے

اب زمینیں اور کارخانے استحصال کا مرکز بن گئے۔ دکانیں اور کاروبار بلیک مارکیٹنگ، اور ناجائز منافع کا ذریعہ، تعلیمی ادارے عُریانی بدمعاشی، فحاشی اور اسلام کے خلاف سازشوں کے اڈے اسی طرح سیاست، استحصال، گروہی مفادات اور زراندوزی کا وسیلہ قرار پائی حکومتوں پر حکومتیں تبدیل ہوتی رہتیں، لیکن یہ ظالمین اور مسرفین چہرے بدل بدل کر اور کبھی انہی چہروں کے ساتھ صرف آوازیں بدل کر قوم کا خون چوستے اور اسلام کا مذاق اڑاتے رہے، پارٹیوں پر پارٹیاں بنیں مگر تقریباً سب کا مقصد وحید نظام سرمایہ داری کا تحفظ یا پھر کمیونزم کے جبری نظام کی ترویج تھی۔

## مذہب کا نام لینے میں یار لوگوں کی حکمتیں

مذہب کا نام بھی بہت لیا گیا مقصود یا تو بارلیش لوگوں کو عہدہ و منصب کا اہل ثابت کرنا تھا یا پھر استحصالی نظام کو مذہب کی طرف سے سندِ جواز مہیا کرنا تھی۔ سیاسی میدانوں میں مذہب کا نام لینے والوں کی اکثریت اُن لوگوں پر مشتمل تھی جو نانِ شبینہ کے لیے ایک عرصے سے جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے محتاج چلے آتے تھے۔ اب ان لوگوں کے لیے ممکن ہی نہ تھا کہ وہ اپنی پرانی ڈگر سے ہٹ کر نئے انداز میں سوچنے اور عصری تقاضوں کا احساس کرنے کی زحمت گوارا کرتے، ان کے نزدیک اسلام کا زیادہ سے زیادہ ترقی یافتہ تصور وہی تھا جو مسلم بادشاہوں کے دور میں سرکاری فقہانے

پیش کیا۔ اجتہاد کا دروازہ وہ پہلے ہی بند کر چکے تھے۔ سوچنے، سمجھنے کو انہوں نے تین طلاقیں دے دی تھیں۔ اب وہ ہر اس بات سے بدکنے لگے جو ان کے محدود مطالعے میں نہیں آتی تھی۔ نقش کہن پر ان کی فریفتگی کا یہ عالم تھا کہ بنو اُمیہ اور بنو عباس کی ظالمانہ بادشاہتیں بھی ان کے نزدیک مقدس حکومتیں تھیں جن کے خلاف لب کشائی اسلام سے اخراج کا موجب بن سکتی تھی۔ دراصل یہی وہ مقام ہے جہاں قوموں کی تقدیر کا فیصلہ ہوتا ہے۔ کیا خوب فرمایا ہے حضرت اقبال نے

آئینِ نو سے ڈرنا، طرزِ کہن پہ اڑنا
منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

## انگریز کے جانشین

رہے وہ لوگ جن کے ہاتھ میں انگریز حکومت کی باگ ڈور دے کر گیا تھا تو وہ پرلے درجے کے مفاد پرست، بددیانت، ظالم، غیر محب وطن اور انگریزی تہذیب و تمدن کے اندھے مقلد تھے ان لوگوں کو نہ عوامی مسائل سے دلچسپی تھی نہ پاکستان سے اور نہ اسلام سے، ان میں جو لوگ اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے وہ متکبر، اوباش اور مفاد پرست تھے، جب کہ نچلا طبقہ اپنے آپ کو انگریز کی معنوی اولاد اور صحیح جانشین سمجھتے ہوئے اعلیٰ انسانی قدروں سے کوسوں دور تھا، اس کے ساتھ ہی ساتھ وہ بددیانت بھی تھا۔

ان لوگوں کے سامنے اصول، نظریات یا قدریں کوئی حقیقت نہیں

رکھتی تھیں۔ یہ ابن الوقت بھی تھے اور بکاؤ مال بھی! افسوس ناک امر یہ ہے کہ ملک کے وسائل کو یہ لوگ شیر مادر اور حکومت و اقتدار کو اپنا پیدائشی حق سمجھتے تھے۔ لیاقت علی خان مرحوم کی شہادت کے بعد جب غیر منتخب حکومتوں کا دور شروع ہوا تو پھر اس طبقے نے (خواہ اس کا تعلق بیوروکریسی سے تھا یا ملازمت کے دوسرے شعبوں سے) خوب ہاتھ رنگے اور پاکستان کو مفتوحہ علاقہ سمجھ کر خوب لوٹا۔

## جدید تعلیم یافتہ حضرات کی کارکردگی

ہمارے جدید تعلیم کے اداروں نے بھی ملک کی تباہی میں اپنا کردار ادا کیا کیونکہ ان اداروں سے جو کھیپ میدان عمل میں آئی وہ بھی نہ صرف سرمایہ دارانہ نظام کے قصیدے پڑھنے کو اپنا وظیفۂ حیات خیال کرتی بلکہ جلب زر کے لیے استحصالی ہتھکنڈوں کو اپنی کامیابی سمجھتی۔ ہمارے جدید تعلیم یافتہ حضرات کا یہ جرم قابل معافی نہیں کہ پچھلے پچاس برس سے حکومت کے تمام ذرائع اس کے قبضے میں چلے آتے ہیں اور ملک اپنے قیام کے مقاصد سے دن بدن دور ہوتا چلا جا رہا ہے۔ یہ ذمہ داری ان کی تھی کہ وہ ملک میں ایک عادلانہ معاشرہ قائم کرتے لیکن یوں نظر آتا ہے کہ یہ لوگ اس کی صلاحیت رکھتے ہیں اور نہ اس کے لیے ذہنی طور پر تیار ہیں۔ پاکستان کی تباہی کی داستان جب بھی رقم کی جائے گی ہمارے جدید تعلیم کے اداروں سے فارغ التحصیل حضرات صفِ اول کے مجرموں میں نظر آئیں گے، جنہوں نے

پاکستان کے اساسی نظریات اور اسلامی اقدار کے خلاف کھلی اور چھپی مخالفتوں کا وطیرہ اختیار کر کے ملک کو دولخت کر دیا۔

## ۱۹۷۰ء کے انتخابات

جاگیرداروں کے مظالم، سرمایہ داروں کے استحصال، سیاست دانوں کی ریشہ دوانیاں، ملازمین کی مفاد پرستی اور مذہبی طبقے کی بے حسی کے نتیجے میں محرومی کا جو احساس ملک میں پیدا ہوا اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں یہاں سوشلزم کا نعرہ لگا۔ گو اسے مساواتِ محمدی، اسلامی سوشلزم اور اس طرح کے کئی اور نام بھی دیے گئے، لیکن حقیقتاً یہ محروم طبقوں کے استحصال کا ایک بہترین طریقہ تھا۔

یہ نعرہ گونجا تو ملک کے عوام کو پہلی بار روشنی کی ایک کرن نظر آئی۔ نعرہ لگانے والوں کے مقاصد گو کچھ اور تھے لیکن یہ نعرہ ؏

میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

کی تفسیر بنا اور مشرق و مغرب اس کی حشر سامانیوں کا نظارہ کرنے لگا۔

## بے بصیرتی

اس موقع پر مذہبی طبقے نے اپنی کند ذہنی اور بے بصیرتی کا ایک اور ثبوت مہیا کیا۔ بجائے اس کے کہ وہ عوام کے بھرے مزاج، حالات اور اس نعرے کی اہمیت کا اندازہ لگاتے اور اسلام کے معاشی نکات کی عصری تعبیر و تشریح کے ذریعے عوام کو اسلام کے عادلانہ نظام کی طرف متوجہ کرتے،

انہوں نے اس نعرے کی منفی مخالفت شروع کر دی اور نوبت بایں جا رسید کہ ایک طرف عوام کی ضروریات' روٹی' کپڑا اور مکان کا نعرہ لگتا تھا اور دوسری طرف اسلام کا' گویا اسلام اور روٹی کپڑا مکان کا حصول دو مختلف مکاتب فکر ہیں۔ حالانکہ اسلام اپنے پیروکاروں سے یہ مطالبہ ہرگز نہیں کرتا کہ وہ زندگی بھر روٹی' کپڑے اور مکان کی خواہش ہی نہ کریں ' نہ اسلام کا یہ منشا ہے کہ مسلمان ہمیشہ غربت و مسکنت کی زندگی بسر کرتے رہیں۔ جائز ضروریات کا حصول ہر انسان کا حق ہے اور اسلام اپنی نمائندہ حکومت کے ذریعے ہر آدمی کے لیے بنیادی ضروریات فراہم کرنے کی پوری ذمہ داری قبول کرتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے :

وما من دابة في الارض الا على الله رزقها

مذہب کے نام پر اس حق سے روکنا بدترین شقاوت ہے۔

## اس "بے بصیرتی" کا نتیجہ

اس "سیاسی بصیرت" کا نتیجہ عام انتخابات مغرب میں پیپلز پارٹی اور مشرق میں عوامی لیگ کی کامیابی کی صورت میں لائے۔ اس موقع پر بڑے بڑے جاگیردار' سرمایہ دار' مشائخ ' بزرگان دین اور علمائے کرام و مفتیانِ عظام اپنی ضمانتیں ضبط کرا بیٹھے ' جن لوگوں کو یہ زعم تھا کہ ان کے مقتدیوں کی تعداد ہزاروں اور مریدین کی تعداد لاکھوں سے متجاوز ہے' ان کے ووٹوں کا سکور تین ہندسوں سے آگے نہ بڑھ سکا اور یوں اگر یہ مقابلہ

اسلام اور نام نہاد سوشلزم کے درمیان تھا تو اسلام کے ان ''نادان دوستوں'' کی مہربانی سے (معاذ اللہ) اسلام کو شکست فاش ہوئی۔

## حقیقت حال

حالانکہ یہ بات سرے سے ہی غلط ہے کیونکہ جو لوگ روٹی، کپڑے، مکان کا نعرہ لگا رہے تھے ان کی اکثریت بھی مسلمان تھی اور وہ اسلام سے انحراف کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔ اس کے علاوہ اگر اسلام سوشلزم اور کمیونزم کی ہر صورت کا مخالف ہے تو سرمایہ داریت کا کوئی رُوپ اور کوئی شعبہ بھی تو اس کے نزدیک قابل برداشت نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ سرمایہ داریت اور غربت و افلاس کے درمیان مقابلہ تھا اور بدقسمتی سے ''اسلامیوں'' نے اپنا وزن سرمایہ داریت کے پلڑے میں ڈالنے کی حماقت کر کے اسلام کے اُجلے دامن کو داغدار کرنے کی کوشش کی۔

## پاکستان کی تقسیم

عام انتخابات کے بعد ملک جن حالات سے گزرا وہ ہمارا موضوع نہیں ورنہ اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ ملک کی تقسیم کسی سیاسی اختلاف کا نہیں بلکہ پچیس[۲۵] سالہ معاشی اور سماجی محرومیوں کا نتیجہ تھی۔ کیونکہ مشرقی پاکستان (سابق) کے عوام ہندو کی غلامی سے نجات حاصل کرنے کے بعد بھی ہندو اور مسلمان کے مشترکہ استحصال کا شکار ہو گئے جس سے ان کا ذہن انتقامی جذبات سے ماؤف ہو گیا، شکستہ حال پاکستان میں روٹی، کپڑا اور

مکان کا نعرہ لگانے والوں کی حکومت قائم ہوئی تو عوام کا خیال تھا کہ جن لوگوں نے انہیں شعور عطا کیا ہے اب وہ ان کے مسائل کے حل میں بھی دلچسپی لیں گے لیکن یہ برسراقتدار گروہ تو لچوں' لفنگوں کا ایک ایسا طبقہ تھا جو صرف اپنے لیے روٹی' کپڑے اور مکان کی بہتر سہولتیں حاصل کرنا چاہتا تھا۔

## بہتر نعرہ بُرائی کے فروغ کا ذریعہ

ان لوگوں نے ایک اچھے نعرے کے ذریعے قوت حاصل کر کے اس قوت کو برائی کے فروغ کا ذریعہ بنایا۔ یہ عہد ستم' عریانی' بدمعاشی' لوٹ کھسوٹ' رشوت' بد دیانتی' اقربا نوازی' دہشت گردی اور اخلاق بے راہ روی ایسی بُرائیوں کو اپنے جلو میں لیے آیا۔ اپنے اثرات بد چھوڑے اور انتقام' مایوسی اور خانہ جنگی کے حالات پیدا کر کے رخصت ہو گیا۔

فسطائیت کے اس دور میں سب سے زیادہ ظلم کا نشانہ عوام بنے' جو لوگ برسوں سے ظلم و استحصال کی علامت بن چکے تھے وہ ''عوام'' بن کر قوم کی گردنوں پر دوبارہ مسلط ہو گئے۔ اس دور میں بعض اچھے اقدامات بھی ہوئے۔ منفی انداز میں سہی جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کا زور توڑنے کی کوشش بھی کی گئی' لیکن خرابی یہ رہی کہ اسی ذہنیت کا ایک اور طبقہ پیدا کر دیا گیا جو ان سے زیادہ کمینہ' مفاد پرست اور ظالم تھا۔

## حالات کا تقاضا

ان حالات کا تقاضا تھا کہ محروم طبقوں کے مفادات کی حفاظت کا

نعرہ اُن گروہوں کی طرف سے بلند ہوتا جو اسلام کے علمبردار تھے تا کہ عوام جو برسر اقتدار گروہ کے ظلم و تشدد سے تنگ آئے ہوئے تھے اسلام کے دامنِ عافیت میں پناہ لیتے مگر وہ ظالم تو ظلم کر کے بھی اور محروم اقتدار ہو کر بھی عوام عوام پکارتے رہے اور یہ رافت و رحمت اسلامی کے علمبردار لا محدود نجی ملکیت اور سرمایہ داری اور جاگیرداری کے تحفظ کا نعرہ بلند کر کے نفرتوں کی پونجی جمع کرتے رہے۔

## پاکستان کی ملی زندگی کا اہم موڑ

اب پاکستان اپنی ملی زندگی کے ایک اہم موڑ پر کھڑا ہے۔ ایک طرف سرمایہ دار اور جاگیردار کا قابل نفرت روپ ہے جس سے مسلم عوام کبھی سمجھوتہ نہیں کر سکے۔ چودہ سو سالہ (۱۴۰۰) مسلم تاریخ کا ایک ایک لمحہ اس بات کی گواہی پیش کرتا ہے کہ مسلمانوں نے فقر و درویشی کو اپنی امنگوں، آرزوؤں، عقیدتوں اور محبتوں کا مرکز سمجھا ہے۔ یہ محض اس لیے کہ وہ کائنات کے ہر ذرے کا مالک صرف ذاتِ الٰہ کو تسلیم کرتے ہیں اسے ہی وہ سزاوار کبریائی سمجھتے ہیں اور نمونہ عمل اُن کے لیے صرف ذات رسالت مآب ﷺ ہے۔ وہ لا محدود نجی ملکیت اور کسی انسان کی کبریائی کو اسی طرح کا شرک سمجھتے ہیں جس طرح ان کے نزدیک کسی دوسرے کے سامنے سجدہ ریزی شرک ہے اور وہ ہر اُس عمل کو ٹھکراتے ہیں جو اُسوۂ رسول سے ٹکراتا ہے۔ کئی سو سال کی محرومیوں اور باطل نظام کے ساتھ مسلسل مزاحمت نے اب ان کی مخالفت کا

رُخ انتقام کی طرف موڑ دیا ہے۔ اب وہ اپنے لیے وسائل رزق کی فراہمی کا کم سوچتے ہیں اور جو لوگ وسائل رزق پر ناجائز قابض ہیں انہیں ان وسائل سے محروم کر دینے کے بارے میں زیادہ کوشاں ہیں۔ اب ان کی خواہش صرف یہی نہیں کہ وہ خوشحال زندگی بسر کریں بلکہ وہ ملک کے خوشحال اور دولت مند طبقے کی تباہی کی آرزو رکھتے ہیں۔ اب انہیں نہ تو اس کا ملال رہا ہے کہ ہمارا یہ جوشِ ملال اور جذبۂ انتقام ملک و ملت پر تباہی لا سکتا ہے اور نہ مذہب کے نام پر وہ کوئی ایسی بات سننے پر آمادہ ہیں جو ان کی محرومیوں کو ان کی قسمت کا لکھا منوانے پر مصر ہے۔ اب وہ مانگنے کے لیے نہیں چھیننے کے لیے تیار ہیں اور جوں جوں وقت گزرتا جاتا ہے ان کی یہ سوچ پختہ اور مستحکم ہوتی جا رہی ہے کہ:

○ اب اہلِ مذہب کے پیش کردہ غیر منصفانہ مزاج اور بے رحم خدا (العیاذ باللہ) کو تسلیم کرنے کا کوئی فائدہ نہیں جو انہیں تو مسلسل محنت، مشقت اور جد و جہد کے باوجود غربت و افلاس کی چکی میں پیس رہا ہے اور بے محنت کام چور اور حرام خور لوگوں کو ہم پہ مسلط کیے ہوئے ہے جو ہمارے گاڑھے پسینے کی کمائی سے اُس خدا کے قوانین کی دھجیاں بکھیرتے ہیں، شراب، زنا، ظلم، رشوت اور اس طرح کی دوسری بُرائیوں کا ارتکاب کرتے ہیں، لیکن روز بروز ان کی خوشحالی اور ہماری بدحالی میں اضافہ ہو رہا ہے حالانکہ ہم اس کے سامنے سر بھی

جھکاتے ہیں اور ان بُرائیوں سے بھی اجتناب کرتے ہیں۔

وہ ایک ایسے مُعاشرے میں جینے کے لیے تیار نہیں جہاں جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا قانون نافذ ہو۔ وہ ایک ایسے عادلانہ مُعاشرے کی آرزو میں جیتے رہے ہیں جس کا مالک عادل اور رحمان ورحیم خدا ہے۔ جس کی نگری اندھیر نگری نہیں اور اس کا راجا چوپٹ راجا بھی نہیں۔ عادل خدا کا نام لینے والوں کا تو یہ فرض بھی ہے کہ وہ ہر بے انصافی کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں نہ یہ کہ تقدیر کے حوالے سے بے انصافیوں کو سندِ جواز فراہم کرتے رہیں۔

○ رسول اکرم ﷺ کی تعلیمات اور اُسوۂ حسنہ کے ہوتے ہوئے کسی شخص یا ادارے کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے غلط خیالات ونظریات اور بُرے عمل کو لوگوں کے لیے باعثِ تقلید قرار دے وہ یہ ماننے کے لیے بھی تیار نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی اور آپ کے فرمودات کو تو درجۂ استحباب میں رکھا جائے البتہ دوسرے لوگ خواہ ان کا تعلق کسی بھی طبقے سے ہو، ان کی زندگیاں اور ان کے وضع کردہ قوانین پوری اُمّت کے لیے خدائی قوانین قرار پائیں۔

○ صلحائے اُمّت اور رسول اللہ ﷺ کے روحانی جانشینوں کی نجی ملکیت، ذاتی حاکمیت اور اس طرح کی دیگر باتوں کے خلاف عملی جدوجہد کو نظر انداز کر کے سلاطین اور سرکاری درباری قسم کے مُلّاؤں کی مُسرفانہ

زندگی، خودساختہ قوانین اور ذہنی عیاشی کو اسلامی طرزِ حیات سمجھنا اپنے
ساتھ ہی نہیں اپنی آئندہ نسلوں کے ساتھ بدترین دشمنی ہے اور چونکہ
اسلام نام رہ گیا ہے ان فقہی موشگافیوں کا جو دورِ ملوکیت میں وجود
میں آئیں اس لیے ایسے اسلام سے بے دینی بھلی جو ہمارے دکھوں کا
علاج بننے کی بجائے ہمارے زخموں پر نمک پاشی کا ذریعہ ہے۔

بحالات موجود غربت اور افلاس کے مارے محروم طبقوں کا مقابلہ سرمایہ دارانہ
نظام اور مذہب کے فرسودہ تصور سے ممکن نہیں نہ موجود نظام میں اصلاحات
کے عمل سے یہ مقصد حاصل ہو سکتا ہے۔ قومی زندگی میں تبدیلیاں انقلابی
اقدامات کے ذریعے عمل میں لائی جاتی ہیں۔ فیصلے کا وقت آن پہنچا ہے۔ اب
یہ فیصلہ ہم نے کرنا ہے کہ یہاں اسلام کسی نہ کسی صورت میں موجود رہنا چاہیے یا
نہیں، اس ملک اور قوم کا مقدر بننا چاہیے یا نہیں کیونکہ سرمایہ داریت اور سرمایہ
دارانہ سوچ کے مظہر اسلام کا تحفظ اب ممکن نہیں۔

ہمارے خیال میں اس ملک کے عوام کے مسائل کا حل اور ان کی
نجات کا واحد ذریعہ اسلام کا وہ انقلابی تصور ہے جس نے چودہ صدیاں قبل:

- سرمائے پر محنت کی عظمت
- مزدور، کسان، ملازم، خواتین اور دوسرے طبقوں کی حفاظت
- لامحدود نجی ملکیت میں بتدریج کمی
- اور عدل و انصاف پر مبنی معاشرے کے قیام کا علم بلند کیا اور دیکھتے

دیکھتے ایک بہترین اور مثالی ریاست قائم کر دی۔

اب صرف یہی ایک صورت ہے کہ قرآن مجید اور سنت رسول ﷺ کی روشنی میں ایک ایسا معاشی ڈھانچہ تشکیل دیا جائے جو آج کے انقلابی نظریات کی آنکھیں خیرہ کر دے۔ یہ کام ناممکن نہیں اور نہ اتنا مشکل کہ ہمت ہی ہار دی جائے۔ البتہ اس کے لیے فرسودہ خیالات اور ذاتی تحفظات کو ترک کرنا ہوگا ورنہ خوب سمجھ لینا چاہیے کہ پاکستانی معاشرہ جس مقام پر پہنچ چکا ہے جس کا احساس کرتے ہوئے رسول اکرم ﷺ نے تہدید آمیز الفاظ میں فرمایا تھا:

کاد الفقر ان یکون کفراً



حوالہ جات

۱۔ حج: ۸۷

۲۔ اسٹیٹ بینک آف پاکستان کا افتتاح ۱۵/ جولائی ۱۹۴۸ء ماہِ نو قائد اعظم نمبر۔

## وقت کی آواز

یہ حقیقت کسی بھی معقول آدمی سے مخفی نہیں کہ ایک حقیقی دین دراصل اس ضابطہ حیات کا نام ہے جو انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کے بارے میں اپنے اندر انتہائی مہذب قابل عمل اور ہمہ گیر قوانین رکھتا ہے۔ اگر کسی دین میں یہ خوبیاں نہیں تو وہ دین ہی نہیں ہو سکتا۔ تاریخ عالم اس بات کی شاہد ہے کہ ادیان سابقہ میں جب تک یہ ضابطے اور قوانین اپنی اصلی شکلوں میں موجود رہے انسانیت ان میں کشش محسوس کرتی رہی۔ جونہی یہ قوانین اور ضابطے تبدیل اور انسانی مفادات کے تابع ڈھلنے مڑنے لگے لوگ اس سے کنارہ کش ہوتے گئے۔ عالمگیر آخری دین اسلام جس وقت پیغام رحمت بن کر آیا تو اس نے نظام زندگی کے ہر شعبے کے لیے انقلابی پروگرام پیش کیا۔ عام آدمی کو آخرت کی نسبت اس پروگرام سے زیادہ دلچسپی محسوس ہوئی جو اسلام نے اس کے لیے دنیا اور مسائل دنیا سے متعلق پیش کیا۔ قیصر و کسریٰ کے مظالم اور سماجی طبقات کی چکی میں پسی ہوئی انسانیت

نے اپنے دنیوی مسائل کے لیے اسلام کو روشنی کا مینار سمجھا اور ع

آمد آں یارے کہ مامی خواستیم

کہہ کر دیوانہ وار اس کی طرف لپکی۔ اور واقعی اسلام نے شاہ و گدا، امیر و غریب اور بندہ و آقا کے تمام مصنوعی امتیاز مٹا کر دنیا کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ چند ہی برسوں میں فقراء کی یہ بے سروسامان جماعت دنیا کی عظیم ترین طاقت سمجھی جانے لگی۔ جب تک یہ ڈھانچہ انہی خطوط پر من وعن چلتا رہا دنیا اس کے ضابطوں اور قوانین پر حکومت کی چھڑی کے خوف کی بجائے محبت اور رضا کارانہ بنیاد پر عمل پیرا رہی وہ اس پروگرام کو آخرت کے ساتھ ساتھ اپنے دنیوی مسائل کا بھی واحد حل سمجھتی تھی۔ تا آنکہ خلافت راشدہ کا مبارک ادارہ ختم ہو گیا اور ملوکیت کا دور شروع ہوا۔ اس دور نا مسعود میں دین اور شریعت کے ضابطے صرف ادائے عبادت اور اخروی زندگی کی بہتری اور نجات تک محدود ہو کر رہ گئے انہیں دنیا سے عملاً کوئی واسطہ نہ رہا۔ عبادات کو ایک خاص قسم کا تقدس دے کر آخرت کے ساتھ پیوستہ کر دیا گیا اور دنیا کے تمام مسائل کو بظاہر مکروہ اور منحوس قرار دے کر بادشاہوں نے اپنی صوابدید کا محتاج بنا دیا۔ یہ دین اور شریعت سے جان چھڑانے کی بہترین ترکیب تھی۔ مگر اس سے دین کے اس آفاقی تصور کو مفلوج کر دیا گیا جو اپنے دامن میں دنیوی مسائل کے بہتر اور زیادہ قابلِ عمل حل کے ذریعے عام آدمی کے دل میں اپنے لیے بے پناہ کشش اور جاذبیت رکھتا تھا۔

اب دین یا شریعت عام آدمی کے دکھ سکھ مُعاشی اور مُعاشرتی مسائل سے کوئی واسطہ نہ رکھتے تھے۔ وہ صرف خالی خولی سجدوں اور طویل مجاہدات پر مبنی ایک ایسا پروگرام تھا جس کا اس دنیا میں تو قطعاً کوئی فائدہ نہیں تھا۔ البتہ اس کے پیچھے آخرت میں ثواب اور جنت کی بشارتیں یقیناً موجود تھیں۔ سیدھی سی بات ہے کہ اگر کسی شخص کو آج اور کل میں سے کسی ایک کے انتخاب کا اختیار دیا جائے تو وہ پہلے آج کے بارے میں سوچے گا اور پھر آنے والے کل سے متعلق۔ آج کے درپیش مسائل کے حل سے وہ اس لیے اغماض برتنے پر آمادہ نہیں ہو سکتا کہ دس دن بعد پیش آنے والا واقعہ بہت زیادہ مشکلات کا باعث بنے گا۔ اس کی خواہش ہوگی کہ پہلے آج کے مسئلے سے نپٹ لوں پھر دس دن بعد آنے والی مشکلات پر قابو پانے کی ترکیب سوچوں گا۔ چنانچہ اب ہر شخص یہ فکر کرنے لگا ہے کہ دنیاوی زندگی کے مسائل کیونکر حل ہوں۔

دوسری طرف یورپ کے صنعتی انقلاب اور مشینی ایجادات نے مسائل کے انبار کھڑے کر دیئے۔ مسائل کی نوعیت ہی بدل گئی۔ انسانی عظمت کے معیار تبدیل ہو گئے۔ گویا ایک جدید دنیا وجود میں آ گئی جس کا سارا دارومدار شدید کشاکش محنت یا دوسرے الفاظ میں عیاری' مکاری اور دماغ کی بازی گری پر مبنی تھا۔ اس مشینی دور کا انسان ایک ایسے فلسفہ پر کما حقہٗ کس طرح عمل پیرا ہو سکتا ہے جو اسے اس برق رفتار دنیا میں رتی کا فائدہ نہ دے۔ یہاں تو بات منٹوں کی نہیں سیکنڈوں اور لمحوں کی تھی۔ ممکن تھا کہ اس کارگاہ حیات میں

ذرا سی غفلت کرنے والا شخص دنیا میں اپنا وجود باقی رکھنے پر قادر نہ ہو سکے اور وہ اس جہد للبقاء میں اپنی جان ہار بیٹھے۔

اسلام کے دامن میں کسی چیز کی کمی نہیں تھی جس چیز کی کمی تھی وہ یہ تھی کہ اس کی طاقت ایسے لوگوں کے ہاتھ میں تھی جو اس کے صحیح نمائندہ نہ تھے۔ جہاں سے گاڑی کو پٹڑی سے نیچے اتارا گیا تھا' ضرورت تھی کہ اسے دوبارہ وہیں سے پٹڑی پر چڑھایا جاتا' ایسا نہ کیا گیا۔ گاڑی بڑھتی رہی مگر غلط سمت۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عام مسلمان آہستہ آہستہ دین سے کٹتا اور دنیا میں دھنستا گیا۔ دین ودنیا کی یہ تفریق افسوس ناک سانحہ اور اسلام کے لیے انتہائی خطرناک مرحلہ تھی۔

مسلمانوں کے دور ملوکیت میں مرتب کی گئی فقہ میں خاصا ذخیرہ موجود ہے۔ علماء کی ذہنی کاوشیں اور اسلامی دستور العمل کے بارے میں ان کی ژرف نگاہی اپنی جگہ درست مگر میں یہ کہتا ہوں کہ اپنے اپنے دور کے ان مجموعہ ہائے قوانین کو قرآن وحدیث کا درجہ کیوں دے دیا گیا ہے۔ آج دورِ حاضر نے جو مسائل پیدا کیے ہیں اور ذرائع ابلاغ نے جس طرح پوری دنیا کو ایک ملک کی حیثیت دے دی ہے پھر مختلف اقوام کے افکار ونظریات اور سماجی نظاموں کے اثرات سے جس طرح پورے طور پر بچنا ممکن نہیں رہا گیا



نتیجہ یہ ہوا کہ عام مسلمان آہستہ آہستہ دین سے کٹتا اور دنیا میں دھنستا گیا۔
دین ودنیا کی یہ تفریق افسوس ناک سانحہ اور اسلام کے لیے انتہائی خطرناک

دیں۔ صرف اس سے استفادہ کریں۔

## کیوں نہیں ہوتی سحر حضرتِ انساں کی رات

راقم السطور کے نزدیک فقہ اسلامی کا سارا ذخیرہ تفسیر اور حدیث کا سارا سرمایۂ منطق اور کلام کا سارا مواد ہماری تقریریں، نصیحت آموز درس، تبلیغ و وعظ، رفاہی ادارے، اخبارات و جرائد کبھی بھی مسلم قوم میں اسلامی ضابطۂ حیات اور قوانین کے اجراء میں ہماری مدد نہیں کر سکتے تاوقتیکہ ہم مسلمانوں کے زندہ مسائل کا وقت کی آواز کے مطابق دین اور شریعت سے ناتہ نہیں جوڑتے۔ اگر خدانخواستہ دین اور شریعت صرف روزے نماز کا نام رہے اور باقی مسائل دنیا کے تابع رہیں تو ایسا لولا لنگڑا نظام مسلمانوں کو کیا فائدہ دے سکتا ہے اور مسلمان کیوں اسے اپنے اوپر لاگو کریں گے۔ تمام تر احترام کے باوجود میں علمائے کرام سے یہ پوچھنے کی جسارت کرتا ہوں کہ وہ ہمیں واضح الفاظ میں بتائیں کہ موجودہ فقہ اس سنگ دل سرمایہ دارانہ نظام کے بارے میں ہمیں کیا خوش خبری سناتی ہے؟ اس کے پاس بدترین قسم کی جاگیرداری، صنعت کاری اور لوگوں کا خون چوسنے والے استحصالیوں کو درست کرنے کا کیا پروگرام ہے؟ انگریز بہادر کی خوشامد اور وطن دشمنی کے نتیجے میں بڑے بڑے مربعے حاصل کرنے والے تمندداروں اور ابنائے وطن کی لاشوں پر اپنی شخصیت کے محل تعمیر کرنے والے فرعونوں کے لیے اس کے اوراق میں کون سا نسخہ ہے؟ ساٹھ سال سے لاکھوں مسلمانوں کی قربانی پر قائم

ہونے والے اس آزاد مسلم ملک کو لوٹنے، مفتوحہ مال سمجھ کر اس پر پل پڑنے اور اسے اپنی منزل سے بالکل مخالف سمت لے جانے والی انگریز بہادر کی معنوی اولاد کے بارے میں اس کا فتویٰ کیا ہے؟ اس مشینی دور کے انقلاب نے مزدور اور مالک، محنت کش اور سرمایہ دار اور خود محنت و سرمایہ کے ضمن میں جو مسائل پیدا کیے ہیں اور جن میں ایک دنیا کی دنیا پس رہی ہے ہماری کتابی فقہ اس کا کیا حل پیش کرتی ہے؟

آنحضور ﷺ اور خلفائے راشدین کی سادہ اور عامیانہ زندگی کے برعکس بڑے بڑے مذہبی لیڈروں کی تکلّفات اور تنعمات سے بھرپور مصنوعی زندگیوں کو کس کھاتے میں ڈالتی ہے؟ علی المرتضیٰ ؓ ایسے مجموعہ کمالات بھائی اور داماد کی موجودگی میں خلافت ایسے بنیادی مسئلے کو مسلمانوں کی رائے پر چھوڑ دینے والی شخصیت کے نام لیوا دنیا کے ظالم ترین حکمرانوں کو ظلّ اللہ اور السّلطان العادل کے الفاظ لکھتے بولتے رہے اور فقہ کی کتابوں میں یہ تک لکھوا دیا کہ سلطان (حالانکہ ''سلطان'' کا لفظ اِن معنی میں خود غیر اسلامی ہیں) کی اجازت کے بغیر کسی قصبے میں جمعہ عیدین کا اجتماع ممنوع ہے۔ کیا فرماتی ہے فقہ اس باب میں؟ سو بندہ پرور گزارش ہے کہ مصلحتوں کے خول سے باہر نکل آئیے۔ وقت کسی کا انتظار نہیں کرتا۔ وقت کافی آگے بڑھ چکا ہے۔ حقائق کا مقابلہ کیجیے۔ اخلاقی جرأت سے کام لیجیے۔ اب صورتِ حال بقول علامہ اقبال یہ ہے

دلوں میں ولولۂ انقلاب ہے پیدا
قریب آ گئی شاید جہانِ پیر کی موت!

آج کا انسان اس دنیا میں سانس لے رہا ہے جو طلب زر، حصولِ اقتدار اور ہوس جاہ و مرتبہ کے لیے بجلی کی رفتار سے سخت کشاکش اور آپا دھاپی میں مصروف ہے۔ یہ انسان اتنا بھولا اور احمق نہیں ہے کہ وہ صرف آپ کے وعدۂ فردا میں مدہوش ہو کر رزم گاہِ حیات میں اپنی بُری بھلی وہ جگہ بھی چھوڑ دے جہاں وہ کھڑا ہے۔

## دارُو کوئی سوچ ان کی پریشاں نظری کا

اگر آپ اسلام کے جامع نظام زندگی کے تصور کا احیاء چاہتے ہیں۔ اگر آپ دنیا کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ ہمارے پاس پیغام رحمت، پیامِ محبت اور نظامِ خدمت ہے تو پرانی فصیلوں سے باہر نکلیے، سر جوڑ کر بیٹھیے اور کتاب وسُنت کی روشنی میں سیرتِ سید المرسلین ﷺ اور سیرتِ خلفائے راشدین کو بنیاد بنا کر موجودہ دُنیا کے اِنسان کے اسلامی ضابطۂ حیات کا سارا ڈھانچہ از سر نو مرتب کیجیے، جس میں سر فہرست اس کے مُعاشی مسئلے کو رکھیے۔

صنعتوں اور مفادِ عامہ کی تمام دیگر چیزوں کو پرائیویٹ سیکٹر سے فوری طور پر نکال کر اجتماعی مصالح کی خاطر قومی تحویل میں لے لیا جائے۔

حضرت علامہ نے بہت پہلے فرمایا تھا

سرما کی ہواؤں میں ہے عُریاں بدن اس کا
دیتا ہے ہنر جس کا امیروں کو دوشالہ

ملازمتوں یا خدمتِ خلق کے اہم مناصب کے لیے اہلیت اور معیار کا تعیُّن نئے سرے سے کیا جائے۔ انگریز بہادر کی یہ مخصوص ڈگریاں جو کالے انگریز پیدا کر رہی ہیں ان کی ذاتی زندگیاں اتنی غلیظ اور سیاہ ہیں کہ انہیں کسی زندہ قوم کی کوئی خدمت سپرد نہیں کی جاسکتی۔ اگر کبھی پاکستان کی تباہی اور بربادی کی تاریخ لکھی گئی تو انگریز بہادر کی یہ معنوی جانشین نسل اس کی واحد مجرم قرار پائے گی۔ کیونکہ پچاس ۵۰ سال تک کم وبیش اسی نسل نے پاکستان پر حکومت کی ہے۔

ع بے وجہ تو نہیں ہیں بربادیاں چمن کی

دستور العمل ضابطۂ حیات خلا میں نہیں بنتے۔ وہ انسان کو درپیش مسائل سے بحث کرتے ہیں۔ میری ان تجاویز سے یہ نہ سمجھا جائے کہ میں حکومت کو تجاویز یا مشورے دینے لگا ہوں۔ میرا مقصد یہ ہے کہ ہماری جدید فقہ انہی مسائل سے بحث کرے گی اور ان کے گرد گھومے گی تو آپ دیکھیں گے کہ ایک عام محنت کش مسلمان بھی اس کے نفاذ کے لیے کیا قربانی دیتا ہے۔ ملک کی اکثریت سماجی ناانصافی' انگریزی قوانین' پولیس کے ظالمانہ رویّے' نوکر شاہی' دفتری چکر بازی اور زمیندار سرمایہ دار صنعت کار اور بددیانت تاجروں کے شکنجے میں پھنس کر عرصے سے ہاتھ پاؤں مار رہی ہے اور اسے

روشنی کی کوئی کرن نظر نہیں آ رہی۔ جب واضح طور پر ایک عادلانہ نظام کا خاکہ اور مکمل نقشہ دیکھے گی تو وہ اس کے نفاذ کے لیے از خود سر دھڑ کی بازی لگا دے گی۔ ایسا ہوا ہے اور تاریخِ عالم اس بات کی گواہ ہے۔ خود اسلام کے آفاقی پیغامِ محبت کی مقبولیت کا ایک عنصر قیصر و کسریٰ کے مظالم تھے اور برِعظیم میں پاکستان کے نعرے کی حیرت انگیز مقبولیت بھی ہندو بنیے اور استحصالی انگریز کی بداعمالیوں کا نتیجہ اور ایک بہتر پروگرام کی نوید کا ثمرہ تھی۔

میری دیانت دارانہ رائے ہے کہ اصل مسئلہ مُعاشی ہے۔ آج کا انسان کسی ایسے نظام کو قبول کرنے پر قطعاً آمادہ نہیں ہے جو اس کے شکم کا مسئلہ حل نہیں کرتا۔ اور میری دانست میں یہ مسئلہ صرف اتنا نہیں کہ ہر آدمی کو پیٹ بھر کر روٹی میسر آ جائے بلکہ اصل قصہ یہ ہے کہ طبقہ اُمراء جنھیں قرآن مُسرفین اور مُترفین کے تہدید آمیز خطابات دیتا ہے کی داد و دہش اور لذت و آرام سے معمور زندگیاں ان کے جانوروں اور کتوں کے بھی عام آدمی سے بہتر معیارِ زندگی نے انتقام، نفرت اور تعصب کا زہر گھول دیا ہے اور زبانِ حال سے وہ جو کچھ کہہ رہا ہے حضرت علامہ اقبالؒ نے بہتر انداز میں اس کی ترجمانی کی ہے ؎

مریدے فاقہ مستے گفت با شیخ

کہ یزداں را زِ حالِ ما خبر نیست

بہ ما نزدیک تر از شہ رگ ما ست

ولیکن از شکم نزدیک تر نیست!

لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ ارباب علم و دانش اور اہل بصیرت حضرات دور جدید کا ایک ایسا فقہی مجموعہ مرتب کریں جو زندہ معاشرے کے مسائل کے ماہرانہ حل پر مبنی ہو اور خود اس میں اتنی کشش، جاذبیت اور دل کشی ہو کہ ہر شخص اسے اپنے دل کی آواز سمجھے۔ جو قوانین قرآن کے آفاقی پیغام کی حسین تشریح ہو جو ہر دور کے مسائل کے حل کا داعی ہے۔ یہ فقہی مجموعہ اصطلاحی زبان کی بجائے سادہ عام فہم اور عوامی زبان میں تیار ہو اور یہ مجموعہ قیصریت، کسرویت اور بندہ و آقا کے مصنوعی امتیاز سے بالاتر ہو کر مرتب کیا جائے۔

میں یہاں پر اپنی یہ [illegible] نہیں چھپانا چاہتا کہ پہلے سے موجود مجموعہ ہائے قوانین (فقہی ذخیرے) میں [illegible] اور کمی و اضافے کی کوشش کی گئی تو وہ بھی کامیاب نہ ہوئی۔ بلاشبہ یہ اپنے دور کے مسائل کے لیے جدید ترین مجموعے تھے لیکن اس دور میں نہ صرف یہ کہ ناکافی ہیں بلکہ الٹا پریشان فکری اور ذہنی انتشار کا موجب ہو سکتے ہیں۔ اس قیامت خیز دور کے مسائل ہی الگ ہیں۔ یہ مسائل قرآن، سیرت نبوی اور عظیم صوفیہ کی بے لوث زندگیوں سے تو حل ہو سکتے ہیں اور کوئی چیز انہیں حل کرنے کی طاقت نہیں رکھتی۔ لازماً یہاں سوال پیدا ہوگا کہ اتنا بڑا کام کرے

کون؟ سو اس سلسلے میں عرض ہے کہ اصلاً تو یہ کام حکومت کے کرنے کا ہے۔ اگر حکومت اپنی مصلحتوں کی وجہ سے ایسا نہ کر سکے تو بالغ نظر اور جید علماء کی ایک ٹیم آگے بڑھے اور وہ اپنے طور پر یہ کام سرانجام دے۔ حضرت علامہ اقبال کی زندگی نے وفا نہ کی ورنہ ان کے ذہن میں اس عظیم الشان کام کا پورا نقشہ موجود تھا اور انہوں نے [illegible] اس کا خاکہ بھی کھینچ لیا۔ وہ آخر دم تک یہ پیغام دیتے رہے

جانتا ہوں میں یہ اُمت حاملِ قرآں نہیں
ہے وہی سرمایہ داری بندۂ مومن کا دیں

# پاکستان کا دستور قرآن وسنّت کے مطابق ہوگا۔ (قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ)

تحریکِ پاکستان کے ممتاز راہنما اور قائداعظم محمد علی جناح کے معتمد ساتھی مولانا عبدالحامد بدایونی مرحوم سے ۳-مئی ۱۹۴۷ء کی ایک اہم ملاقات میں دوٹوک الفاظ میں ارشاد فرمایا۔

"میں اس امر سے کلیتاً متفق ہوں کہ پاکستان کا دستور وہی ہو گا جو اسلام و قرآن کریم کے مطابق ہو۔ سوشلزم اور مغرب کے قوانین ہمارے مرض کا علاج نہیں۔ ایک وقت آئے گا جب کہ ساری دُنیا قرآن اور اسلام کی جامعیت کو تسلیم کرے گی"۔



اخبار "دبدبۂ سکندری" رام پور، جلد ۸۵ شمارہ ۲۰، ۲۱، مطبوعہ ۲۱-مئی ۱۹۴۷ء، ص ۸

## اسلام کا تصوّرِ ملکیت



تاریخِ مذاہب میں اسلام ہی کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس نے انسان کے بنیادی مسئلے یعنی مُعاش کی طرف سب سے زیادہ توجہ دی ہے۔ قرآن مجید' احادیث اور سیرتِ نبوی کو اگر عنوانات کے تحت تقسیم کیا جائے تو توحیدِ خداوندی کے بعد غالباً سب سے زیادہ مواد اسی موضوع پر ملے گا۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اسلام اس حقیقت کو برملا تسلیم کرتا ہے کہ جب تک کوئی مُعاشرہ' مُعاشی اعتبار سے خوش حال اور طبقاتی گروہ بندی سے آزاد نہیں ہوگا' اخلاق و روحانیت کے وعظ اس پر قطعاً اثر انداز نہیں ہوں گے۔

معلوم انسانی تاریخ کے مطابق ملکیت کا اس قدر جامع' عالمگیر اور ہر دور میں قابلِ عمل نظریہ بھی سب سے پہلے اسلام نے پیش کیا ہے۔ اگر مسلمانوں کے دورِ ملوکیت میں شاہی اثرات کے تحت مدوّن ہونے والے قوانین کو عین اسلام سمجھنے کے بجائے براہِ راست قرآن اور سنتِ نبوی صلى الله عليه وسلم کو ماخذ تسلیم کیا جائے تو مُعاشی میدان میں دنیا کے جدید ترین نظریات بھی اسلام کا

مقابلہ نہیں کر سکتے

ملکیت کے بارے میں اسلام کا پہلا اصول یہ ہے کہ ہر شخص کو اپنی خداداد صلاحیت کے مطابق کمانے اور اس کمائی سے فائدہ اٹھانے کی تو اجازت حاصل ہے' اگرچہ اس میں بھی حلال ذرائع کی پابندی موجود ہے' لیکن بنیادی طور پر وہ شخص ان چیزوں کا مالک نہیں ہے۔ اسے صرف حق انتفاع حاصل ہے اور یہ بھی اسے صرف اس لئے حاصل ہوا کہ اس نے محنت کی ہے۔ رہی ملکیت تو وہ صرف اور صرف اللہ کی ہے۔ بزرگان دین اور علمائے سلف جہاں انسانوں کے لیے ملکیت کا لفظ استعمال کرتے ہیں' وہ مجازاً استعمال کرتے ہیں۔

قرآن مجید کی درج ذیل آیات [illegible]

وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔۔۔ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۔

اور اللہ ہی کے لیے ہے میراث آسمانوں اور زمین کی۔ بلاشبہ زمین اللہ کی ہے وارث بناتا ہے اس کا جس کو چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے۔

دوسری آیت سے یہ غلط فہمی نہ ہو کہ یہ صرف زمین سے متعلق ہے' معاشی اصطلاح میں وہ عطیات قدرت جن سے انسانوں کو پیدائش دولت میں مدد ملتی ہے' زمین کہلاتے ہیں۔ اس میں سطح زمین کے اوپر پائی جانے والی اشیاء' روشنی' دھوپ' بارش وغیرہ' سطح زمین پر موجود اشیاء' پہاڑ' دریا'

جنگلات، نباتات، حیوانات وغیرہ اور سینہ زمین میں بند چیزیں معدنیات، گیس، پٹرول وغیرہ شامل ہیں۔

وَآتُوهُم مِّن مَّالِ اللَّهِ الَّذِي آتَاكُمْ (۳) أَفَرَأَيْتُم مَّا تَحْرُثُونَ ۝ أَأَنتُمْ تَزْرَعُونَهُ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ ۝ (۴)

اور وہ انہیں اللہ کے مال سے جو اس نے تمہیں عطا کیا۔ کیا تم نے غور سے دیکھا جو تم بوتے ہو کیا تم اس کو اگاتے ہو یا ہم ہیں اس کے اگانے والے ہیں۔

اس مضمون کی بے شمار آیات موجود ہیں۔ اسی سلسلے میں یہ حدیث بھی پیش نظر رہے۔

عن عروۃ قال اشهد ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال ان الارض ارض الله والعباد عباد الله ومن احیی مواتا فهو احق بها جاءنا بهذا عن النبی صلی الله علیه وسلم الذین جاءوا بالصلوات عنه (۵)

عروہ کہتے ہیں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمادیا تھا کہ زمین خدا کی ہے اور بندے بھی خدا کے ہیں۔ جو شخص کسی غیر آباد زمین کو آباد کرے وہی اس کا زیادہ حق دار ہے۔ یہ فیصلہ ہم تک انہی لوگوں کے ذریعے پہنچا ہے جن کے واسطے سے پنج وقتہ نماز پہنچی ہے۔

مفکر اسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نظریہ ملکیت پر بحث کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

اقول الاصل فيه ما او مانا ان الكل مال الله ليس فيه حق لا حدٍ فی الحقيقة لكن الله تعالىٰ لما اباح لهم الانتفاع بالارض وما فيها وقعت المشاحة فكان الحكم حينئذٍ ان لا يهيج احدمماسبق اليه من غير مضارة فمن حكمه ان لايهيج عنها والارض الميتة التى ليست فى البلاد ولا فى فنائها اذاعمرهارجل فقدسبقت يده اليها من غير مضارة فمن حكمه ان لايهيج عنها والارض كلها فى الحقيقة بمنزلة مسجدٍ اورباطٍ جعل وقفا علمی ابناء السبيل وهم شركاء فيه فيقدم الا سبق ومعنى الملک فى حق الآدمی كونه احق بالانتفاع من غيره قال رسول الله صلى الله عليه وسلم عادى الارض لله ورسوله ثم هى لكم منى (۶)



اس کی بنیاد وہی ہے جس کی طرف اوپر ہم نے اشارہ کیا ہے کہ مال سارے کا سارا اللہ کا ہے اور حقیقت میں اس میں کسی کا کوئی حق نہیں ہے، لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے زمین اور اس سے پیدا شدہ اشیاء سے نفع اٹھانے کو مباح قرار دیا تو لوگوں میں حرص پیدا ہوئی اس لیے ضرورت محسوس ہوئی کہ اگر کسی شخص نے کسی دوسرے کو نفع پہنچائے بغیر کسی چیز پر قبضہ کر لیا ہے تو وہ اس سے چھینی نہ جائے اور اگر کسی شخص نے بنجر زمین کو آباد کیا تو چونکہ وہ شخص پہلے پہل اس پر قابض ہوا اور اس نے کسی کو نقصان بھی نہیں پہنچایا پس اس سے یہ زمین نہ چھینی جائے گی

اور تمام زمین مسجد یا مسافر خانوں کی طرح ہے جسے مسافروں پر وقف کر دیا جاتا ہے اور تمام لوگ اس میں شریک ہوتے ہیں اور ہر مقدم کو اپنے مؤخر پر حق تقدم حاصل ہوتا ہے اور آدمی کی ملکیت کے معنی یہ ہیں کہ وہ دوسرے کی بہ نسبت اس سے نفع حاصل کرنے کا زیادہ حق دار ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا افتادہ زمینیں اللہ اور اس کے رسول کی ہیں اس کے بعد میری طرف سے تمہیں دی جاتی ہیں۔

ملکیت کے بارے میں یہ نظریہ صرف لفظی بحث نہیں ہے بلکہ اسلام کے سارے معاشی پروگرام کی عمارت اسی بنیاد پر قائم ہے۔ اس نظریے کو عملاً قبول کر لینے کے بعد انسان اپنی کمائی ہوئی دولت کا بے قید مالک نہیں بلکہ امین، نگران اور اصل مالک کا نمائندہ قرار پاتا ہے۔ اسے قدم قدم پر اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ کہیں میں اس امانت میں خیانت یا بددیانتی کا مرتکب تو نہیں ہو رہا جو مجھے قدرت کی طرف سے سونپی گئی ہے۔ پھر اگر کوئی شخص صریحاً اس امانت میں خیانت کرنے لگے تو کیا محض اس بات سے کہ یہ اس کی اپنی دولت ہے، ایسا کرنا اس کے لیے درست ہوگا' تو اس کا جواب نفی میں ہے۔ اس صورت میں وہ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ جو زمین پر مقاصد الٰہیہ کی تکمیل میں مصروف ہوگی اسے بجا طور پر حق حاصل ہوگا کہ وہ بزور اسے ان اصولوں پر عمل کرائے جو پہلے سے طے شدہ ہیں تاکہ زمین پر معاشی گروہ بندی اور استحصال نہ ہو سکے۔

### مقاصدِ الٰہیہ کی تکمیل کی ذمہ داری خلافت پر ہے:

اسلامی تصورِ ملکیت میں دوسری اہم بات بنیادی ضروریاتِ زندگی کی کفالت اور ذمہ داری ہے۔ قرآن مجید نے واضح طور پر ارشاد فرمایا ہے:

وما من دآبۃ فی الارض الا علی اللہ رزقہا (٧)

ان لک الا تجوع فیہا ولا تعری ٥ (٨)

ولا تقتلوآ اولادکم من املاق نحن نرزقکم وایاہم (٩)

اٰمنوا باللہ ورسولہ وانفقوا مما جعلکم مستخلفین فیہ (١٠)

اور نہیں کوئی چلنے والا زمین میں مگر اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے اس کا رزق۔

اور بے شک تمہارے لیے یہ ہے کہ نہ بھوکے رہو اور نہ ننگے رہو۔

اور نہ قتل کرو اپنی اولاد کو مفلسی سے، ہم رزق دیتے ہیں تمہیں بھی اور انہیں بھی۔

ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور خرچ کرو اس میں سے جس میں اس نے تمہیں اپنا نائب بنایا ہے۔



ان آیات سے واضح معلوم ہوتا ہے کہ قدرت نے اپنے اس مقام میں ہر ذی روح کے رزق کی ذمہ داری قبول کی ہے جو اس نے اختیاری طور پر بندوں کے سپرد کی ہے۔ گویا جس طرح قدرت نے خیر و شر، نیکی و بدی اور اچھائی برائی کے درمیان امتیاز قائم کرنے کے باوجود کسی ایک راستے پر چلنے کے لیے انسان کو اختیار دے دیا ہے تاکہ اس دنیائے دار العمل کا مقصد تخلیق پورا ہو سکے۔ ٹھیک اسی طرح اس نے انسانی معاش کے صحیح اور غلط

راستے بھی جدا جدا کر دیئے البتہ ان میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کے سلسلے میں اسے مہلت دے دی' مگر ساتھ ہی ہر راستے پر چلنے کے نتائج سے اسے آگاہ کر دیا۔

اب کچھ لوگ بھوکے مر رہے ہیں اور کچھ دنیاوی عیش و آرام میں مست ہیں' کچھ لوگ بیماری علاج کے لیے ترس رہے ہیں اور کچھ کو دولت خرچ کرنے کے لیے مصرف نظر نہیں آتا ہے کہ یہ اسلامی منشور اور قرآنی پروگرام کے سراسر خلاف ہے۔ اب اس موقع پر اسلام اپنی نمائندہ حکومت کی ذمہ داری قرار دیتا ہے کہ وہ اپنے فرائض ادا کرے اور نیابت الٰہی کا فریضہ انجام دیتے ہوئے عدل و انصاف قائم کرے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان اسی کا مظہر ہے:

لو مات الكلب على شاطئ الفرات جوعا لكان عمر مسئولا به يوم القيامة

اگر فرات کے کنارے کوئی کتا بھی بھوک سے مر گیا تو قیامت کے دن عمر سے اس کی باز پرس ہوگی۔

اور آنحضرت ﷺ کا یہ تہدیدی فرمان بھی اسی سے متعلق ہے:

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من ولاه عز وجل شيئا من امر المسلمين فاحتجب دون حاجتهم وخلتهم وفقرهم احتجب الله عنه دون حاجته وخلته

وفقرہ (۱۱)

آپ نے فرمایا جس شخص کو اللہ مسلمانوں کے بعض امور کا نگران بنادے اور وہ لوگوں کی ضروریات اور احتیاج سے لاپروائی برتے تو اللہ تعالی اس کی ضروریات اور احتیاجات سے لاپروائی برتے گا۔

اس ساری تمہید کا مقصد یہ بتانا ہے کہ ایک نمایندہ حکومت جس طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے قیام کی پابند ہے' ٹھیک اسی طرح وہ اس بات کی بھی پابند ہے کہ وہ کفالت عامہ کے خدائی پروگرام اور وعدے کو پورا کرنے اور نبھانے کی ذمہ داری عملاً قبول کرے' کیونکہ اس دارالعمل میں دراصل یہی حکومت ہی منشائے خداوندی کی ترجمان اور قوت نافذہ ہے۔ وہ تمام محتاجوں' بیکسوں' اپاہجوں' بیواؤں' بے روزگاروں' یتیموں' لاوارثوں' معذوروں کے لیے روٹی' کپڑے' مکان' علاج معالجے (بنیادی ضروریات زندگی) فراہم کرنے کی پوری طرح پابند ہے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر ہمیں بتایا جائے کہ ان قرآنی آیات کا مصرف کیا ہے؟ جن میں یہ ذمہ داری قبول کی گئی ہے۔ اگر یہاں پر یہ کہا جائے کہ جائز ذرائع سے ہر شخص جتنی چاہے دولت رکھ سکتا ہے' انفرادی طور پر یہ ذمہ داری اشخاص کی نہیں بلکہ حکومت کی ہے' تو عرض ہے کہ یہ سوچ سراسر خلاف اسلام اور جاگیردارانہ ذہن کی عکاسی کرتی ہے۔

## اسلام میں زائد از ضرورت اشیاء رکھنے کی ممانعت ہے

اگر ہر شخص کے لیے یہ آزادی تسلیم کر لی جائے تو پھر حکومت کے پاس بچے گا ہی کیا؟ جس سے وہ اتنی بڑی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو سکے گی۔ قرآن مجید نے صاف ارشاد فرمایا ہے:

وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۗ قُلِ الْعَفْوَ ۗ [۱۲]

اور پوچھتے ہیں آپ سے کیا خرچ کریں فرمائیے جو ضرورت سے زائد ہو۔

ظاہر بات ہے کہ جب زائد از ضرورت چیز ہی رکھنے کی ممانعت ہے تو اس کے لیے اندھادھند ذرائع استعمال کرنا اور دولت سمیٹنا کس طرح اور کیونکر روا ہو سکتا ہے؟ رہی یہ بات کہ زائد از ضرورت دولت کا دے دینا استحسانا ہے یا حکما اس سلسلے میں عرض ہے کہ اس بات کا یقینا حکم ہے اور خلافت راشدہ میں ہمارے پاس اس بات کی نظیریں موجود ہیں۔ ابن حزم المحلی میں لکھتے ہیں:

"حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ کے ہمراہ تین سو صحابہ تھے جن میں سے اکثر کے پاس زادِ راہ ختم ہو گیا۔ جن کے پاس زادِ راہ موجود تھا ان سے لے کر آپ نے سب میں برابر تقسیم فرما دیا اور صحابہ میں سے کسی نے ان پر اعتراض نہیں کیا۔ [۱۳]

ابوسعیدؓ آنحضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا جس کے پاس زائد از ضرورت سواری ہو وہ اس شخص کو دے دے جس کے پاس نہیں

ہے اور جس شخص کے پاس زائد زاد راہ ہو وہ اسے دے دے جس کے پاس موجود نہیں۔ آپ نے کئی ایسی ضروریات کی چیزیں بیان فرمائیں یہاں تک کہ ہمیں گمان ہوا کہ ہمارے پاس جو بھی زائد ضرورت سامان ہے اس میں ہمارا کوئی حق نہیں۔ ابن حزم فرماتے ہیں اس پر صحابہ کا اجماع ہے۔ (۱۴)

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فراش للرجل وفراش لامراتہ والثالث للضیف والرابع للشیطان (۱۵)

ترجمہ: ایک بستر آپ نے دوسرا بیوی کے لیے تیسرا مہمان کے لیے اور چوتھا شیطان کے لیے ہے۔

اسلام کے تصور معاشی پر اگر تفصیل سے غور کرنے سے جو چیز سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ ہر شخص بقدر ضرورت اپنے پاس رکھ سکتا ہے اس سے زیادہ کی [illegible] ایک ہی کنبے کے افراد ہیں لہٰذا اس بات کی اجازت نہیں دی جا سکتی کہ ان میں کوئی ایک شخص اپنے پاس دولت یا دیگر وسائل رزق کا اتنا حصہ روک لے جس سے دوسرے افراد کنبہ متاثر ہوں۔ آنحضورﷺ کا ارشاد ہے:

الناس عیال اللہ احب الخلق الی اللہ من احسن الی عیالہ (۱۶)

تمام لوگ اللہ کا کنبہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو تمام مخلوق میں وہی شخص زیادہ محبوب ہے

جو اس کے کنبے کے ساتھ احسان کرے۔

## اجتماعی مفاد کی خاطر نجی ملکیت ختم کی جا سکتی ہے:

اس بات میں کیا شک ہے کہ آنحضور ﷺ کی ذات گرامی کو قیامت تک کے لیے نمونۂ کاملہ اور اسوۂ حسنہ بنا کر بھیجا گیا۔ آپؐ نے اپنے طرزِ عمل سے جو نقوش چھوڑے ملّتِ اسلامیہ کے لیے انہیں صلاح و فلاح کا بلند ترین درجہ قرار دیا گیا۔ تمام مسلمان اس بات پر متفق ہیں کہ

عن عائشة قالت ما ترك رسول الله صلى الله عليه وسلم دينارا ولا درهما ولا شاة ولا بعيرا . قال واشك في العبد والامة (۱۸)

حضرت عائشہ [illegible] روایت ہے کہ آنحضور ﷺ نے اپنی وراثت میں کوئی دینار و درہم بکری اور اونٹ [illegible] مجھے اطمینان نہیں۔

عن انس بن مالک قال کان النبی صلی الله علیه وسلم لا یدخر شیئا لغد

انس بن مالک سے روایت ہے کہ آنحضور ﷺ کل کے لیے بچا کر نہیں رکھتے تھے۔

اس کے ساتھ یہ مشہور حدیث ہر شخص کی نگاہ سے گزر چکی ہے

لا نورث ما ترکنا فهو صدقة (۱۹)

ہم گروہ انبیاء ہیں ہماری جائداد وراثت نہیں ہوتی۔ ہم جو کچھ چھوڑیں وہ صدقہ ہے۔

اس کے ساتھ صحابۂ کرام اور بزرگانِ دین کے بارے میں اسبابِ دنیا جمع نہ کرنے اور مال وزر سے محبت نہ رکھنے کے واقعات ہم انتہائی عقیدت کے ساتھ بیان کرتے ہیں، جس وقت ایک اسلامی حکومت کے مُعاشی نظام کی بات آتی ہے تو ہم اُسوۂ حسنہ، عملِ صحابہ اور تعاملِ اولیاء میں سے کسی چیز کو بھی مُعاشی نظام کی بنیاد بنانے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ ماترکنا فھو صدقۃ والی حدیث کو ہم نے صرف مسئلہ فدک کے لیے وقف کر رکھا ہے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ آنحضور ﷺ کی مثالی زندگی کا یہ مبارک حصّہ ہمارے مُعاشی نظام کے لیے لائحۂ عمل قرار نہ پائے۔

حضرت عمر فاروق ؓ کے زمانے میں جب عراق کا علاقہ فتح ہوا تو مُجاہدین نے حضرت عمرؓ سے درخواست کی کہ یہ ہمارے درمیان تقسیم کر دیجیے، مگر آپ نے ان کی یہ درخواست قبول کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا ایسی صورت میں تمہارے بعد آنے والے مسلمانوں کو کیا ملے گا؟ چنانچہ حضرت عمرؓ نے سواد کے باشندوں کو بحال رکھا۔ ان پر فی کس جزیہ اور ان کی زمینوں پر لگان لگا دیا۔ اس طرح یہ زمینیں ان میں تقسیم کرنے کے بجائے اجتماعی مفاد کی خاطر بیتُ المال کی ملکیت میں رہنے دیں۔ (۲۰)

ماشون کہتے ہیں کہ حضرت بلال رضؓ نے طاقت کے ذریعے مفتوحہ علاقوں کے متعلق حضرت عمرؓ سے کہا کہ یہ زمین ہمارے درمیان تقسیم کر دیجیے اور اس کا خمس ۱/۵ آپ رکھ لیجیے۔ انہوں نے فرمایا نہیں یہ تو اصل

سرمایہ ہے۔ مَیں اسے وقف رکھوں گا اور اس سے مجاہدین اور دوسرے مسلمانوں کو وظائف جاری کیے جائیں گے۔ اس پر حضرت بلال ﷺ نے اصرار کیا تو آپ نے فرمایا الٰہی! مجھے بلال اور اس کے ساتھیوں سے نجات دے۔ (۲۱)

صاحب کتاب الاموال کے مطابق زمین تقسیم نہ کرنے اور اسے مشترکہ مقاصد کے لیے وقف رکھنے کا مشورہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے دیا تھا۔ (۲۲)

حضرت عمر فاروق ﷺ کا سوادِ عراق کی مفتوحہ زمینوں کو مجاہدین کے بار بار اصرار کے باوجود تقسیم نہ کرنا اور انہیں اجتماعی مفاد کی خاطر بیتُ المال کی ملکیت قرار دینا ایک ایسا تاریخی فیصلہ ہے جس نے ہمارے لیے حالات کے مطابق قدم اٹھانے کا شرعی ثبوت فراہم کر دیا ہے۔ بظاہر آپ کا یہ فیصلہ قرآنِ مجید کی غنیمت کی تقسیم کے احکام سے متصادم نظر آتا ہے۔ لیکن درحقیقت ایسا نہیں ہے۔ اگر آج بھی خوراک لباس رہائش علاج معالجہ اور ذرائع مواصلات کو مشترکہ ملکیت میں لایا جائے تو نہ صرف یہ کہ یہ اقدام خلافِ اسلام نہیں ہوگا بلکہ عام مُعاشرتی بے چینی کا واحد علاج ثابت ہوگا۔

اسلام سے پہلے عرب میں دستور تھا کہ بعض افراد یا قبائل اپنے مفاد کے لیے زمین کا کچھ ٹکڑا چراگاہ کے طور پر محفوظ کر لیتے تھے۔ اس میں دوسرے قبائل یا افراد کو دخل دینے کا حق حاصل نہ ہوتا تھا۔ آنحضور ﷺ نے واضح طور

پر ارشاد فرمایا:

(۲۳)

**لاحمیٰ الا للہ ولرسولہ**

اللہ اور اس کے رسول کے سوا کسی کے لیے کوئی مخصوص علاقہ نہیں ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ربذہ میں سرکاری حمیٰ بنایا تو کچھ لوگوں نے اعتراض کیا کہ ان زمینوں کے لیے ہم جاہلیت میں لڑتے رہے ہیں اور اسلام قبول کرنے کے وقت یہ ہماری ملکیت میں تھیں۔ آپ کس بناء پر ہم سے چھین رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا:

**المال مال اللہ والعباد عباد اللہ لولا ما احمل علیہ فی سبیل اللہ ما حمیت من الارض شبر فی شبر** (۲۴)

تمام مال اللہ کا ہے اور تمام بندے اللہ کے بندے ہیں واللہ اگر مجھے راہ خدا میں مجاہدین کے لیے سواریاں مہیا کرنا نہ ہوتیں تو میں بالشت بھر زمین بھی حمی کے ذریعے نہ روکتا۔



اس واقعہ سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی زمینوں کو یا ایسی زمینوں کو جسے وہ اپنی ملکیت سمجھتے، اسلامی حکومت کے اجتماعی مفاد میں حکومت کی تحویل میں لے لیا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چراگاہوں کو اللہ اور اللہ کے رسول ؐ کی ملکیت قرار دینا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا لوگوں کی مملوکہ زمین کو اپنی تحویل میں لے لینا صاف بتلا رہا ہے کہ اگر حالات کا تقاضا ہو تو ایسا کرنا نہ صرف جائز ہے بلکہ

سُنت ہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ اس ناانصافی کے دور میں ایک صحیح اسلامی حکومت کو اس قسم کے اقدام سے محروم کر دیا جائے۔

تیسرے خلیفۂ راشد حضرت عثمان غنی ؓ کے بارے میں تمام مؤرخین نے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ طبری کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

واقدی کی روایت ہے کہ اس سال حضرت عثمان ؓ نے انصابِ حرم کی تجدید کا حکم دیا' نیز اس نے کہا کہ اسی سال کے دوران میں حضرت عثمان ؓ نے مسجد حرام میں اضافہ کیا اور اس کو توسیع دی۔ کچھ لوگوں نے ان کا حکم مان لیا اور کچھ نے انکار کر دیا۔ آپ نے ان کے مکان مسمار کرادیے اور ان مکانوں کی قیمتیں بیتُ المال میں جمع کرادیں۔ ان لوگوں نے حضرت عثمان ؓ کے خلاف احتجاج کیا اور شور مچایا۔ آپ نے انہیں حراست میں لینے کا حکم دیا اور فرمایا جانتے ہو تمھیں کس بات نے اتنی جرأت دلائی ہے' وہ صرف میری نرم طبیعت ہے۔ حضرت عمر ؓ نے بھی تمہارے ساتھ یہی کیا تھا' لیکن تم نے ان کے خلاف احتجاج نہ کیا۔ بالآخر عبداللہ بن خالد بن ولید نے حضرت عثمان ؓ سے اس معاملے پر گفتگو کی اور ان لوگوں کو آزاد کرایا۔

خلفائے راشدین (حضرت عمرؓ' حضرت عثمانؓ' رضی اللہ عنہما) نے اجتماعی مفاد کی خاطر لوگوں کی جائدادیں ان کی مرضی کے برخلاف خریدیں اور مطافِ کعبہ اور حرمِ کعبہ میں توسیع کی۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے ' کہ اگر دوسری اجتماعی ضروریات کے لیے انہیں مالکانِ اراضی کی زمینیں حکما

خریدنے کی ضرورت پڑتی تو وہ اس میں قطعاً تامل نہ کرتے۔ حضرت عمراور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے اس طرزِ عمل سے حکومت اور اس کی ہیئتِ حاکمہ کا یہ حق ثابت ہو جاتا ہے کہ وہ ایسے قوانین بنانے کی مجاز ہے جن کے ذریعے سے کسی خاص طبقے یا گروہ کو حکومت کے ہاتھ اپنی جائدادیں' بیچنے پر مجبور کیا جا سکے۔ اس کی عملی صورتیں کیا ہوں گی' اسے طے کرنا شوریٰ کا کام ہے' اتنی بات بلا حیل وحجت ثابت ہو جاتی ہے کہ اگر کسی دور کے مُسلم مُعاشرے کو اس بات کی ضرورت محسوس ہو، کہ انفرادی ملکیت' صنعت یا دیگر بڑے بڑے ذرائع پیداوار کو مُعاشرے کی اجتماعی ملکیت بنانا ضروری ہے' تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے،' آخر پٹرول' گیس' کوئلہ' جپسم' سونا وغیرہ بھی تو زمین ہی سے نکلتا ہے' کیا کوئی حکومت ایک لمحے کے لیے بھی ان چیزوں کو نجی ملکیت میں دینے پر راضی ہو گی' اگر یہ چیزیں کسی شخص کی نجی زمین میں نکل آئیں تب بھی اجتماعی مصالح کی خاطر اس کی مالک حکومت ہی ہوا کرتی ہے۔

## اسلامی ہیئتِ حاکمہ کو مَعاشی میدان میں اصلاح کے مکمل اختیارات حاصل ہیں

حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے فیصلے اس بات کی پوری تائید کرتے اور توثیق کرتے ہیں کہ اگر حالات اس بات کا تقاضا کریں تو خلافت اسلامی عمومی مفاد کی خاطر ہر قسم کا اقدام کر سکتی ہے' قرآن مجید کی اصطلاح میں مستکبرین' مستضعفین کے حقوق پامال کرنے لگیں' نظامِ دولت

بگڑ جائے، گردشِ زر رک جائے اور کسی بڑے اقدام کے بغیر اصلاحِ احوال ممکن نہ رہے تو اسلامی حکومت کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اس سلسلے میں جو کچھ مناسب سمجھے کرے۔ آنحضور ﷺ اور خلافت راشدہ کے مبارک دور میں اگرچہ عمومی طور پر ایسی صورتِ حال پیدا نہیں ہوئی، تاہم ان حضرات نے چھوٹی چھوٹی باتوں کا بروقت نوٹس لیا اور مُعاشرے کو مُعاشی ابتری کی طرف لے جانے سے روکنے کے لیے جو بھی تدبیر مناسب تھی کی۔

آنحضور ﷺ نے بلال بن حارث مزنی کو وادیٔ عقیق کا پورا علاقہ بطور عطیہ دیا تھا۔ ان سے یہ پورا علاقہ آباد نہ ہو سکا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں بلال سے فرمایا یقین جانو آنحضور ﷺ نے یہ علاقہ تمہیں اس لیے نہیں بخشا تھا کہ تم اسے لوگوں سے روک کر بیٹھ جاؤ۔ آپ نے یہ علاقہ آباد کرنے کی خاطر عطا فرمایا تھا۔ لہٰذا اس حصے میں جتنا تم آباد کر سکتے ہو وہ رکھو، باقی واپس کر دو۔ ایک روایت کے مطابق حضرت بلال رضی اللہ عنہ ایسا کرنے پر آمادہ نہیں ہو رہے تھے مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکماً وہ زمین واپس لے کر مستحقین میں تقسیم کر دی۔ (۲۵)

اسی قسم کی ایک روایت خود آنحضور ﷺ سے مروی ہے:

ایک انصاری کے باغ میں حضرت سمرہ بن جندب کے کھجور ول کے کچھ درخت تھے۔ اس کے ساتھ ہی اس انصاری کا مکان تھا جس میں اس کے گھر والے رہتے تھے۔ سمرہ بن جندب باغ میں آتے تو اس گھر سے گزرنا

پڑتا۔ اس سے انصاری کو تکلیف ہوتی تھی۔ انصاری نے آنحضور ﷺ سے اس بات کا ذکر کیا۔ آپ نے سمرہ بن جندب کو بلایا اور فرمایا کہ یہ درخت اس انصاری کے ہاتھ بیچ دو۔ وہ نہ مانے۔ آپ نے فرمایا اچھا درختوں کا تبادلہ کرلو۔ وہ یہ بھی نہ مانے۔ اس پر آپ نے فرمایا اچھا یہ درخت اس انصاری کو بخش دو۔ اس پر آپ نے سمرہ بن جندب کو رغبت بھی دلائی مگر انہوں نے اسے بھی قبول نہ کیا۔ آپ نے فرمایا تو ایذا پہنچانے والا ہے۔ انصاری کو حکم دیا کہ جاؤ اس کے درخت کاٹ ڈالو۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے حق تصرف کی بناء پر دوسروں کی تکلیف کا موجب بن رہا ہو یا اس نے وسیع جائداد بلاوجہ اپنے پاس روک رکھی ہو چاہے یہ اسے جائز ذرائع سے بھی کیوں نہ پہنچی ہو تو حکومتِ اسلامی ایسے اشخاص کے حقوق تصرف بھی تلف کرسکتی ہے۔

انگریزوں کے سو سالہ دورِ حکومت کے نتیجے میں ہمارے ملک میں تقسیمِ دولت کا نظام جس قدر بگڑ چکا ہے وہ کسی بھی باخبر آدمی سے مخفی نہیں۔ اگر آج مسلم معاشرہ، اسلامی حکومت یا اربابِ حل وعقد سارے معاشرے کی بہتری اور اصلاح کے لیے چند سرکش زمینداروں اور صنعت کاروں کا حق تصرف زائل کردیں تو آخر یہ شریعت کی رُو سے ناجائز کیسے قرار پائے گا۔

اسلام اپنے عمومی مزاج میں اجتماعیت کو ہر حالت میں انفرادیت پر ترجیح دیتا ہے۔ آنحضور ﷺ اور خلفائے راشدین کی مبارک زندگیاں بھی

ملکیت کے اثبات کی بہ نسبت اس کی نفی کے زیادہ قریب ہیں۔ بعد میں صوفیائے کرام کا مکمل ادارہ ہمیں صرف مٹی کے کوزے، عصا اور تن پر موجود پھٹے پرانے کپڑوں پر اکتفا کرتا نظر آتا ہے۔ اس کی وجہ سوائے اس کے اور کیا ہو سکتی ہے کہ خدائی احکام کا منشاء اور اسلام کا عین تقاضا یہی تھا۔ بلاشبہ دورِ حیات رسالت مآبؐ میں بالکلیہ نجی ملکیتوں کے خاتمے کا اعلان نہیں کیا گیا، مگر حرمتِ سود، زکوٰۃ، صدقات، حرمتِ مزارعت، کرایہ پر زمین یا مکان دینے کی ممانعت، خودکاشتی کے نظریے کا فروغ، بڑی بڑی زمینداریاں اور جاگیرداریاں رکھنے پر پابندی، غیر حاضر زمیندار کے تصور کا استیصال، بلاوجہ زمینوں کو روک رکھنے کی ممانعت، تین[۳] سال تک جو زمین آباد نہ کر سکے اس سے جبراً زمین کی واپسی، زائد از ضرورت مال رکھنے کی ممانعت، ایسے زریں اصول کے ساتھ ساتھ اپنی اور اپنے معزز رفقاء کی زندگیوں کے زندہ تابندہ نمونے اس بات کے لیے کہیں کافی ووافی تھے کہ اگر یہ نظام یونہی چلتا رہتا تو تھوڑے ہی عرصے میں خود بخود امیر و غریب، آقا و مولا، شاہ و گدا اور نادار و صاحبِ ثروت کا یہ طویل فاصلہ ختم ہو جاتا، یا کم از کم میلوں سے انچوں تک آ جاتا، صحابۂ کرام میں حضرت ابُوذر غفاریؓ کا مال و دولت کے خلاف برملا احتجاج، مزارعت کے خلاف امام ابُوحنیفہ کا تاریخی فتویٰ اور اسلام کے اس نظام کو علمی انداز میں مرتب کرنے کا علامہ ابن حزم کا کارنامہ وہ تاریخی حقیقتیں ہیں جنہوں نے دورِ رسالت مآبؐ اور ہمارے دور میں خلاء واقع

نہیں ہونے دیا۔

علامہ ابن حزم اس اہم انسانی مسئلے پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ہر ایک شہر کے صاحب ثروت لوگوں پر فرض ہے کہ وہ مفلس اور ضرورت مندوں کی حاجت روائی کریں اور اگر وہ خود بخود ایسا نہ کریں تو خلیفہ یا امام (خلافت) انہیں ایسا کرنے پر مجبور کرے گا۔ یہ اس صورت میں ہے کہ اگر زکوٰۃ وغیرہ سے صدقات ان کے لیے کافی نہ ہوں"۔

ان حالات میں ان کی ضروریات زندگی کی کفالت لازمی ہے۔ خورد نوش، سردی اور گرمی کے مطابق جسموں کو ڈھانپنے کے لیے لباس اور رہائش کے لیے مکان کا انتظام ہر فرد کے لیے کیا جائے تاکہ وہ بارش، دھوپ، سردی اور سیلاب وغیرہ سے محفوظ رہ سکے۔

صاحب ثروت لوگوں پر فرض ہے [illegible] اللہ کا یہ ارشاد ہے کہ قرابت داروں، مسکینوں اور مسافروں کو ان کا حق دو، اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو اور قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں، ہمسایوں، اجنبی پڑوسیوں، مسافروں، غلاموں اور باندیوں کے حقوق کا خیال رکھو"۔

ان آیات سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دولت مندوں پر مساکین، مسافروں اور غلاموں کا حق واجب فرمایا ہے۔ اسی طرح باقی افراد کا جو آیت

میں بیان ہوئے ہیں ان کے حقوق کی ادائیگی کا سب سے اولین حق خوراک، لباس اور مکان ہے لہٰذا اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ جو شخص ان کے بارے میں ان امور سے باز رہتا ہے وہ ان کے حقوق کا تارک اور گناہ کا مرتکب ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "اہل جنت دریافت کریں گے کہ تم کو جہنم تک کس عمل نے پہنچایا؟ وہ جواب دیں گے کہ ہم نماز نہ پڑھتے تھے اور مسکینوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔" اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے مساکین کی کفالت کو نماز کے ساتھ ملا کر بیان کیا ہے اور آنحضورﷺ سے بہ طریق صحیح مروی ہے کہ "جو شخص انسانوں پر رحم نہیں کرتا' اللہ اس پر رحم نہیں فرماتا"۔

"میں کہتا ہوں کہ اگر مالدار شخص کسی بھائی کو بھوکا ننگا دیکھے اور اس کی مدد نہ کرے تو اس نے بھائی کی مدد نہیں کی"

مستند [illegible] سے ہم تک یہ روایت پہنچی ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ

لو استقبلت من امری ما استدبرت لاخذت فضول مال الاغنیاء علی فقراء المهاجرین ۔ جو بات مجھ کو بعد میں معلوم ہوئی اگر پہلے سے معلوم ہوتی تو دولت مندوں کی فاضل دولت ان سے لے کر فقرائے مہاجرین پر تقسیم کر دیتا (اس روایت کی سند صحت اور مرتبے کے ساتھ بہت وقیع ہے)۔

سعید بن منصور کے سلسلہ سند سے مجھ تک پہنچی ہے کہ حضرت علی المرتضیٰؓ نے فرمایا: ”بلاشبہ اللہ نے اُمراء اور دولت مندوں پر اس قدر مال کی ادائیگی فرض قرار دی ہے جس سے ان کے مسکینوں اور ضرورت مندوں کی کفالت ہو سکے۔ اگر لوگ بھوکے اور بدستور محتاج ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ صاحب ثروت لوگوں نے اپنا فرض ادا نہیں کیا۔ قیامت کے دن اللہ اس فرض کی عدم ادائیگی پر ان کا محاسبہ کرے گا۔

مشہور تابعی شعبیؒ، مجاہد اور طاؤس وغیرہ کا اتفاق اس بات کے قائل تھے کہ فی المال حق سوی الزکوٰۃ ”مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حق ہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ بات بھی لائق توجہ ہے کہ اگر ایک شخص کے پاس اپنی ضرورت سے زیادہ خورد نوش کا سامان موجود ہو اور دوسرا شخص بھوک سے اس حد تک پریشان ہو کر مرنے کا اندیشہ ہے تو اس آدمی کو مردار یا خنزیر کھانا جائز ہے بلکہ اس کا حق ہے کہ وہ [illegible] پر قبضہ کر کے بقدر ضرورت اس میں سے استعمال کرے۔ وہ مال خواہ مسلمان کا ہو یا کسی ذمی کا۔

ایسے موقع پر ضرورت مند کے لیے جائز ہے کہ وہ لڑ کر بزور صاحب ثروت سے اتنا مال حاصل کرے کہ جس سے اس کی ضرورت پوری ہو۔ اس لڑائی میں اگر ضرورت مند اور مسکین مارا جائے تو سرمایہ دار پر قصاص آئے گا اور اس تنازعہ میں اگر سرمایہ دار کام آ گیا تو وہ واصل جہنم ہوا کیونکہ اس نے

اپنے حق سے انکار کیا تھا جو اس کے ذمے فرض تھا۔ اس صورت میں مال دار کا حکم باغی کا ہے اور اس کے متعلق ارشاد خداوندی ہے فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي الخ "اگر مسلمانوں میں سے ایک فریق دوسرے پر بغاوت کرے تو باغی فریق سے اس وقت تک جنگ کرتے رہو جب تک وہ اللہ کے حکم پر واپس نہ آ جائے۔" اور ظاہر ہے کہ صاحب حق کے مقابلے میں حق و فرض کا منکر باغی ہے یہی وجہ تھی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مانعین زکوۃ کے خلاف جہاد کیا۔

اس مختصر مضمون میں گنجائش نہیں کہ معاشی مسئلے کے تمام پہلوؤں پر تبصرہ کیا جا سکے۔ اختصار کے ساتھ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسلام کے تصور ملکیت میں یہ امور شامل ہیں:

۱۔ ذرائع پیداوار صرف اللہ کی ملکیت ہیں۔

۲۔ ریاست [illegible] بلا امتیاز مذہب و ملت، رنگ و نسل ہر شخص کی بنیادی ضروریات کی کفالت قبول کرتی ہے۔

۳۔ تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے اس نے کسی کو محروم المعیشت پیدا نہیں کیا۔

۴۔ اسلام میں بڑی بڑی زمینداریاں، جاگیرداریاں قطعاً ممنوع ہیں۔

۵۔ اسی طرح بڑے بڑے کارخانے، ملیں، فیکٹریاں، بنک اور دیگر تمام اہم ذرائع پیداوار بھی نجی ملکیت میں نہیں رہ سکتے۔

۶۔ زمیندار کا کوئی تصور اسلام میں موجود نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ گنجائش صرف خود کاشتی کے لیے نکالی جا سکتی ہے۔

۷۔ مزارعت 'مستاجری' کرائے پر مکان دینا ممنوع اور ناجائز ہیں۔

۸۔ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ عادلانہ۔ معاشی نظام کو نافذ کرنے کی ساری ذمہ داری اسلامی حکومت پر ہے۔ وہ رضا و رغبت کے ساتھ ہو جائے یا

بقول شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فکِ کل نظام کے بعد۔

۹۔ ایک فلاحی اسلامی حکومت کے اگر بگڑے ہوئے معاشی نظام کو درست کرنے کے لیے مناسب سمجھے تو تمام ذرائع پیداوار قومی تحویل میں لے لے۔

اگر دانشورانِ ملت نے مذکورۃ الصدر بنیادوں پر معاشی مسئلے کا کوئی حل جلد تلاش نہ کیا تو وہ وقت دور نہیں جب متوسط طبقہ اپنے گلے سے شرافت اخلاق انسانیت بلکہ مذہب کا قلادہ اتار پھینکے گا اور بہ زور اپنا حق حاصل کرنے کے لیے میدان عمل میں آ جائے گا۔ اگر ہمیں اپنے ملک سے محبت ہے اور ہم اسے لادینیت سے بچانا چاہتے ہیں تو ہمارا فرض ہے کہ جس قدر جلدی ممکن ہو' قرآن' سیرت اور خلفائے راشدین کی زندگیوں پر اپنے معاشی پروگرام کی بنیاد رکھیں۔ موجودہ بے قید نظام جو اس ملک میں انگریز بہادر کا عطیہ ہے اب زیادہ دیر نہیں چل سکتا ہے

## دورِ حاضر کے اہم مسائل اور سیرتِ نبوی ﷺ

یوں تو دورِ حاضر مسائل میں گھرا ہوا ہے مگر چند ایک اہم مسائل نے پوری دنیائے انسانیت کو شدید کرب میں مبتلا کر رکھا ہے۔ یہ مسائل ایسے سنگین ہیں کہ دنیا ان کی لپیٹ میں آ کر کراہ رہی ہے، تڑپ رہی ہے، سسک رہی ہے۔ بہت ہاتھ پاؤں مارنے کے باوجود وہ کسی طور ان مسائل سے پیچھا چھڑانے میں کامیاب نہیں ہو پا رہی۔ ان مسائل میں جنگ و جدل سے بچاؤ اور پیٹ کا مسئلہ سب سے اہم ہیں۔ جنگِ عالم گیر اول و دوم میں انسانیت کی جو تذلیل ہوئی اور متمدن دنیا نے اپنے بھائی بندوں کو گاجر مولی کی طرح جس انداز سے کاٹا ہے اس سے جاہلیت کے تاریک دور کی تاریخ بھی شرمندہ ہے۔ اسی پر کیا بس ہے آج بھی بڑے اور طاقت ور ممالک چھوٹی اور کمزور اقوام کو ہڑپ کرنے اور ان کے علاقے ہتھیانے کے لیے جن جن دسیسہ کاریوں، فتنہ انگیزیوں اور شیطانی پروگراموں میں مصروفِ عمل ہیں وہ سب کے سامنے ہیں۔ ہمدردی، اخوت، انسانیت اور مساوات

کے بلند بانگ دعوے پہلے سے کہیں زیادہ شدت کے ساتھ سننے میں آ رہے ہیں مگر واقعہ یہ ہے کہ بے انصافی، ظلم، طاقت کا استعمال اور کمزور کو ہڑپ کر جانے کا جذبہ پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گیا ہے۔

اسی طرح اپنے ہاتھوں اپنی تباہی کے اسباب (اسلحہ) کی دوڑ میں چھوٹا بڑا ملک ایک دوسرے سے سبقت کی فکر میں ہے۔ نتیجہ یہ نکلا ہے کہ وہ قدرتی وسائل جو روز افزوں انسانی آبادی میں اضافے کے ساتھ ساتھ خود بخود ابھرتے آتے ہیں انسانیت کی فلاح و بہبود پر صرف ہونے کی بجائے انسانیت کی تباہی و بربادی پر خرچ ہو رہے ہیں۔ ایک طرف نسل انسانی کو گھٹانے کے لیے ضبط ولادت کا عمل شروع ہے دوسری طرف ہم فطرت سے اس کے لیے مہیا کردہ روزی شیطانی پروگراموں کی نذر ہو رہی ہے۔ پوری دنیا بھوک، غربت اور جہالت کے اندھیروں میں بھٹک رہی ہے مگر ہر سال اربوں روپے اسلحے کی تیاری میں خرچ ہو رہے ہیں۔ اگر دنیا میں اسلحے پر خرچ ہونے والی ساری رقم یا نصف ہی غربت اور افلاس کے خاتمے کے لیے خرچ کی جائے تو چند سالوں میں دنیا کا نقشہ کچھ سے کچھ ہو جائے۔

اس کے ساتھ ساتھ مغربی تہذیب کے تعیشات نے انسانیت کی اقدار بدل دی ہیں۔ دنیا کے جدید نظام ہائے زندگی میں سوشلزم معاشی عدم مساوات کو انسانیت کا بنیادی مسئلہ قرار دے کر اس کے خلاف رد عمل کے طور پر بڑے بلند بانگ دعووں کے ساتھ میدان عمل میں آیا مگر دنیا نے دیکھ لیا کہ

صرف انقلاب روس میں بیس لاکھ انسان اس جدید اور بظاہر مساوات و صلح کے دعویدار نظام کی بھینٹ چڑھ گئے۔ اس کے مقابلے میں سرمایہ دارانہ نظام ہے۔ اس نے انسان کو ظلم کی چکی میں جس طرح پیسا ہے اس کی وضاحت کی ضرورت نہیں۔ اس کے ساتھ مختلف مذاہب کی تعلیمات بھی ہمارے سامنے ہیں۔ سوائے اسلام کے اور کوئی مذہب ایسا نہیں ہے جو انسانیت کے ان [illegible] مسائل کے حل کے لیے دنیا کے سامنے اپنا دامن دعوت پھیلا سکے۔

آپ [illegible] انصاف کی نظر سے دیکھیں کہ عالم گیر نظام حیات کے داعی سرور عالم حضرت محمد مصطفی ﷺ نے دنیا کو جنگ و جدل سے بچانے اور اس کے پیٹ [illegible] کی خاطر اپنی زندگی اور کردار کا کیا نمونہ اور اسوہ پیش کیا [illegible] انفرادی اور نجی زندگی ان عظیم الشان مقاصد [illegible] نظریات اس قابل نہیں کہ ہم کمزور دور اور دنیا انہیں مشعل راہ بنا کر اپنی منزل مقصود متعین کرے۔

اسلام ملک گیری کی ہوس، کمزور پر چڑھ دوڑنے کے جذبے اور لسانی اور وطنی بنیادوں پر جنگ کرنے کا شدید مخالف ہے۔ اس نے اپنے ماننے والوں کو ہدایت کی:

یا ایھا الذین امنوا کونوا قوامین للہ شہداء بالقسط ولا یجرمنکم شنان قوم علی الا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب

لِلتَّقْوٰی [المائدہ]

''اے ایمان والو! تم اللہ کے واسطے قائم رہنے والے اور سچی گواہی دینے والے بن جاؤ اور کسی قوم کی عداوت تم کو بے انصافی کی طرف نہ کھینچ لے جائے' عدل کیا کرو؛ عدل ہی خدا ترسی سے قریب تر ہے''۔

دوسرے مقام پر فرمایا:

فَاذْكُرُوْٓا اٰلَاۗءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ O [الاعراف]

''اللہ کی نعمتوں کو یاد رکھو اور ملک میں فساد پھیلانے سے باز آ جاؤ''۔

آج جنگ کے سلسلے میں بین الاقوامی طور پر معاہدہ جینوا کا بڑا ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے۔ اے کاش ہمارے یہ مفکرین سیرت کی عام کتابوں کا مطالعہ کر لیتے تو انہیں پتہ چلتا کہ مہذب اور متمدن دنیا آج جن اُصولوں کو بین الاقوامی حقائق اور معاہدے قرار دے رہی ہے وہ تمام بلکہ اس سے کہیں بہتر اصول دنیا میں امن کے سب سے بڑے علمبردار نے ڈیڑھ ہزار سال قبل متعین فرمادیے ہیں۔



اسلام سے پہلے جنگی قیدیوں کے ساتھ عورتوں' بچوں اور بوڑھوں کو بھی قتل کر دیا جاتا تھا۔ بعض دفعہ آگ میں بھی جلا دیتے تھے۔ غفلت یا نیند کی حالت میں اچانک دشمن پر ٹوٹ پڑنے کو قابل فخر سمجھا جاتا تھا۔ جیتے جاگتے انسانوں کو آگ میں جلانا' بچوں کو نشانہ بنا کر تیر اندازی کرنا' ہاتھ پاؤں کاٹ کر پھینک دینا کہ مجروح ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جائے' عام رواج تھا۔ اسی

طرح دشمن کو مار کر اس کی کھوپڑی میں شراب پینا اور حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کردینا جنگ کے آداب میں شامل تھا۔ یہ ساری باتیں حضور نبی کریم ﷺ نے ختم کردیں، جو چیز جس موقع پر سامنے آئی اس کے بارے میں وہیں حکم دے دیا اور اس ظلم کا فوری سدِ باب کردیا گیا۔

حضور نبی کریم ﷺ نے جتنی لڑائیاں لڑیں بغور دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے اکثر لڑائیاں صرف ایک ہی قبیلے کی مختلف شاخوں سے ہوئی ہیں یعنی بنو الیاس بن مضر یہ وہ قبیلہ ہے جس سے خود حضور اکرم ﷺ کا تعلق ہے۔ حالات پر گہری نظر ڈالنے سے یہ بات صاف نظر آتی ہے کہ یہ لڑائیاں انہی عصبی وجوہات کی بناء پر واقع ہوئیں جو عموماً بھائی بند اپنے کسی معزز اور نامور بھائی سے کرتے ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ کی پوری زندگی مبارکہ میں جس قدر لڑائیاں ہوئی ہیں ان میں مقتولین اور قیدیوں کی تفصیل کچھ یوں ہے:

| نام فریق | اسیر | زخمی | مقتول | کل |
|---|---|---|---|---|
| مسلمان | ۱ | ۱۲۷ | ۲۵۹ | ۳۸۷ |
| مخالف | ۶۵۶۴ | ...... | ۷۵۹ | ۷۳۲۳ |
| میزان | ۶۵۶۵ | ۱۲۷ | ۱۰۱۸ | ۷۷۱۰ |

اس کے مقابلے میں جنگِ عظیم ۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء کے مقتولین کی

تعداد ملاحظہ فرمائیے:

روس ۱۷ لاکھ، جرمنی ۱۶ لاکھ، فرانس ۱۳ لاکھ ستر ہزار، اٹلی ۴ لاکھ، آسٹریا ۸ لاکھ، برطانیہ ۷ لاکھ، ترکی ۲ لاکھ پچاس ہزار، بلجیم ایک لاکھ ۲ ہزار، بلغاریہ ایک لاکھ اور امریکہ پچاس ہزار۔ اس میں زخمیوں، اسیروں اور گمشدہ افراد کی تعداد شامل نہیں ہے۔

چھوٹے بڑے غزوے اور جنگیں ملا کر کل تعداد ۸۲ ہوتی ہے۔ ان میں ہر دو جانب مقتولین کی تعداد ۱۰۱۸ ہوتی ہے۔ گویا فرانس سے دو چند بڑے ملک میں امن و امان قائم کرنے صدیوں کی خونخواری، ڈکیتی، چوری اور موروثی نسلی عداوتیں ختم کرنے کے لیے صرف ۱۰۱۸ انسانی جانوں کی قربانی دی گئی۔ اسے اگر یوں دیکھا جائے کہ عرب جیسی وحشی اقوام کو نظم و ضبط کا پابند بنانے، انہیں باقاعدہ مملکت کا حامل بنانے اور انہیں انسانی برادری میں شامل کرنے کا اتنا بڑا کام ہوا تو یہ قربانی نہایت معمولی نظر آتی ہے۔ اس قربانی کے نتیجے میں دنیا پر جو اثرات مرتب ہوئے انہیں سامنے رکھتے ہوئے کون ذی ہوش آدمی کہہ سکتا ہے کہ یہ تحریک چلانے والا عالمِ انسانیت کا سب سے بڑا مصلح اور امن و آشتی اور صلح و بھائی چارے کا پیامبر نہ تھا؟ آگ اور خون کی ہولی کھیلنے والی دنیا کیوں اس رحمۃ للعالمین اور مصلحِ اعظم اور پیامِ امن کو مشعلِ راہ نہیں بناتی۔

اسی طرح معاشی مسئلے کے سلسلے میں بھی یہ انفرادیت اور امتیاز

صرف سرورِ عالم کو حاصل ہے کہ آپؐ نے معاشیات کے بارے میں جو اصول اور قوانین متعین فرمائے اپنی زندگی استحساناً یا احتیاطاً اس سے بھی کہیں کم درجے اور معیار پر گزاری۔ ضرورت پڑنے پر اسلامی حکومت نجی ملکیت اپنی تحویل میں لے سکتی ہے یا نہیں؟ میں اس اصولی بحث کو نہیں چھیڑنا چاہتا مگر ایک بات سیرتِ مبارکہ سے واضح ہے کہ آپ نے اپنی عملی زندگی سے اصولاً نجی ملکیت [illegible] کی اور اسے [illegible] کرنے کی تعلیم دی۔ ''ہم گروہ انبیاء ہیں جو چیز [illegible] چھوڑیں وہ خیرات کر دی جائے''۔ (الحدیث)

آخر کس چیز کی تعلیم [illegible]

خلفائے راشدین جو ہر اعتبار سے آپ کے حقیقی جانشین اور نائب تھے وہ بھی تقریباً اس اصول پر [illegible] کاربند رہے [illegible] کے بعد مشائخ اور صوفیہ ہیں جنہوں نے دنیا کے کونے کونے میں اسلام پھیلایا اور [illegible] خلافتِ راشدہ کے بعد آنحضرتؐ [illegible] سمجھتے رہے۔ ان حضرات کا بلا لحاظ زمانہ و وقت اس بات پر اجماع ہے کہ ہر شے کا مالک خدا ہے اور وہ لوگ اس کے زیادہ مستحق ہیں جنہیں ان کی ضرورت ہے۔ کروڑوں کا مال غنیمت حاصل ہونے کے باوجود ان لوگوں نے ذاتی اثاثہ لوٹے، مسواک، عصا اور مصلیٰ کے علاوہ کچھ نہیں رکھا۔ اسی سنتِ متوارثہ کے نتیجے میں مسلمان آج بھی کرۂ ارض پر ایک سخت جان قوم کی حیثیت سے موجود ہیں۔

اب ملاحظہ ہو زندگی مبارکہ کی ایک جھلک خیال رہے کہ ہجرت کے

بعد تنگ دستی کا دور ختم ہو گیا تھا۔ اسلامی حکومت قائم ہو گئی تھی۔ سونے چاندی کے ڈھیر لگ جاتے مگر آپ کی اپنی زندگی فقر الفقراء کی عملی تصویر رہی۔ آپ کے پاس جو چیز آتی جب تک اسے خرچ نہ کر لیتے بے قراری رہتی۔ اُم المومنین اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ایک دفعہ آپ گھر تشریف لائے تو چہرہ متغیر تھا۔ میں نے پوچھا خیر ہے؟ آپ نے فرمایا کل جو سات دینار آئے تھے شام ہو گئی اور وہ بستر پر رہ گئے۔ (مسند ابن حنبل جلد ۶ صفحہ ۲۹۳)

حضرت ابوذر ؓ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ابوذر! اگر اُحد کا پہاڑ میرے لیے سونا بن جائے تو میں کبھی یہ گوارا نہ کروں گا کہ تین راتیں گزر جائیں اور اس میں سے صرف ایک دینار بھی بچ جائے۔ مگر وہ دینار جو قرض ادا کرنے کے لیے رکھ چھوڑوں۔

(بخاری کتاب الاستقراض)

ایک دفعہ رئیس فدک نے چار اونٹ غلے سے لدے ہوئے بھجوائے۔ حضرت بلال نے غلہ فروخت کر کے یہودی کا قرض ادا کیا اور اطلاع دی۔ آپ نے پوچھا کچھ بچ تو نہیں رہا؟ انہوں نے کہا کچھ بچ گیا ہے۔ آپ نے فرمایا جب تک یہ مال موجود ہے میں گھر نہیں جا سکتا۔ حضرت بلال ؓ نے کہا میں کیا کروں کوئی سائل ہی نہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے رات مسجد میں بسر فرمائی۔ دوسرے روز صبح کے وقت حضرت بلال ؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ خدا نے آپ کو سبکدوش کر دیا یعنی جو کچھ موجود تھا وہ

تقسیم کر دیا گیا۔ آپ نے سجدۂ شکر ادا کیا اور گھر تشریف لے گئے۔

[ابو داؤد، باب ہدایا المشرکین]

عرب میں باغ سب سے قیمتی جائداد سمجھے جاتے تھے۔ ۳ھ میں بنو نضیر میں سے ایک شخص مخیریق نے اپنے سات باغ "مشیب" "صافقہ" "دلال" "حسنی" "برقہ" "اعواف" اور "مشربہ ام ابراہیم" مرتے وقت حضور نبی کریم ﷺ کو [illegible] آپ نے سارے کے سارے راہِ خدا میں وقف کر دیے۔ [illegible]

آپ کو سوال سے شدید نفرت تھی کہ اس سے کاہلی، کام چوری اور تن آسانی پیدا ہوتی ہے۔ ارشاد ہوا اگر کوئی شخص لکڑی کا گٹھا پیٹھ پر لادلائے اور اسے بیچ کر [illegible] بچائے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ لوگوں سے سوال کرے۔ [illegible]

ایک دفعہ کسی غزوہ سے واپس تشریف لائے۔ اُمّ المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے [illegible] ہوئی ہے۔ اسی وقت اسے اتار کر پھینک دیا۔ [illegible]

ایک دفعہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گلے میں سونے کا ہار دیکھ کر فرمایا کہ تم کو یہ ناگوار نہ ہوگا جب لوگ کہیں گے کہ پیغمبر کی لڑکی کے گلے میں آگ کا ہار ہے۔ [نسائی]

ہر چند سونے کے زیورات مستورات کے لیے مباح ہیں مگر اپنے

گھرانے کی مستورات کے لیے انہیں مناسب نہیں سمجھا۔ اکثر موٹے جھوٹے اور بھیڑوں کی اون سے بنے ہوئے کپڑے استعمال فرماتے تھے اور انہی کپڑوں میں دنیا سے رحلت فرمائی۔ [بخاری کتاب اللباس]

بستر کمبل کا تھا اور کبھی چمڑے کا ہوتا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوتی۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ایک شب میں نے چادر تہہ کر کے بچھا دی تاکہ بستر نرم ہو جائے۔ صبح آپ ﷺ نے ناگواری کا اظہار فرمایا۔ [شمائل]

اُمّ المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ آپ نے اس دنیا سے پردہ فرمایا تو گھر میں جو کی معمولی مقدار کے سوا کھانے کے لیے کچھ نہ تھا۔ [مسند احمد بن حنبل]

صحابۂ کرام سے اکثر ارشاد فرماتے کہ دنیا میں ایک انسان کے لیے اتنا کافی ہے جتنا ایک مسافر کو زادِ راہ کے لیے۔ [illegible]

آج دنیا کو جس چیز نے جہنم زار بنا رکھا ہے وہ امیر و غریب کا بے تحاشا فرق اور ذرائع پیداوار اور وسائل میں عدم مساوات کا مسئلہ ہے اور یہ مسئلہ تبھی حل ہو سکتا ہے جب کہ حکام اعیانِ حکومت اور کارپردازانِ مملکت خود ملک کے عام آدمی کی بود و باش اور طرزِ زندگی اپنا ئیں۔ اس کے بغیر محض زبانی دعووں سے کچھ نہ ہو گا۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ تاریخ مذہبی اور سیاسی دفاتر میں ایک نام بھی ہمارے سامنے ایسا پیش نہیں کر سکتی جس نے سب کچھ ہوتے

ہوئے اپنے طرزِ زندگی سے سادگی، درویشی اور مال و دولت سے بے نیازی کی ایسی اعلیٰ روایات قائم کی ہوں۔

میں یہ بات قارئین سے نہیں چھپانا چاہتا کہ مسلمان قوم برس ہا برس سے ملوکیت کی چکی میں پسنے کی وجہ سے اسلام کی تعبیر و تشریح سرمایہ داری اور جاگیرداری کے زیرِ اثر کرتی رہی ہے یہ اس کی معذوری ہے۔ بحمد اللہ اب دنیائے اسلام نے نئی کروٹ لی ہے احیائے اسلام کی تحریکیں دنیا بھر میں شروع ہوئی ہیں۔ اب وقت ہے کہ ہمارے علماء معاشی میدان میں حضور اکرم ﷺ خلفائے راشدین اور صوفیائے کرام کی زندگیوں کی روشنی میں اسلام کی انقلابی تشریح و تعبیر سے دنیا کو روشناس کرائیں اور برس ہا برس سے اسلام کے چہرے پر ملوکیت، شہنشاہیت کے پیدا کردہ جاگیرداری اور سرمایہ داری کے مصنوعی غازے کو اتار پھینکیں روحِ اقبال پکار رہی ہے

اُٹھ کہ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

# بابائے قوم کا مسلمان اُمراء کو انتباہ

"آپ کبھی دیہات میں جائیے۔ میں نے دیہات دیکھے ہیں، وہاں ہمارے لاکھوں ہم قوم ہیں جنہیں بمشکل ایک وقت کی روٹی ملتی ہے۔ یہ تمدن ہے؟ یہ پاکستان کا مقصد ہے؟ اگر پاکستان کا تصور یہ ہے تو وہ مجھے نہیں چاہیے۔ عوام سے جونک صفت کرکے ان کا خون چوسنے والے زمینداروں اور سرمایہ داروں کو میں خبردار کرنا چاہتا ہوں کہ وہ صرف نام کے مسلمان نہ بنیں اور اسلام کا درس پھر سے یاد کریں۔ اگر وہ کچھ بھی شعور رکھتے ہیں تو انہیں چاہیے کہ خود کو حالات کے مطابق ڈھالیں۔ اور اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو پھر خدا ان کے حال پر رحم فرمائے۔ ہم تو ہرگز ان کا ساتھ نہیں دیں گے۔"

[illegible]

## اقبال کے انقلابی معاشی نظریات

یہ اسلام کا اعجاز ہے کہ سیاسی انحطاط اور تنزلی کے دور میں بھی اس کے صدف سے ایسے گہر آبدار نکلتے رہے اور آسمان علم و حکمت پر اس کے ہاں ایسے ایسے شمس و قمر ابھرتے رہے جس کا اعتراف غیروں نے بھی کھلے دل سے کیا ہے [illegible] غزالی سوز و ساز رومی اور پیچ و تاب رازی کو زمانہ گزر گیا تھا۔ اب ضرورت تھی ایک ایسے دانائے راز اور حکیم فر[illegible] علوم پر حاکمیت عقیدے میں رسوخ اور جادو بیانی سے روح اسلام (میں یہ لفظ سوچ سمجھ کر بول رہا ہوں) میں حرارت اور تازگی پیدا کر دے انہیں خود بھی اس کا احساس تھا۔ چنانچہ فرماتے ہیں ۔

من نہ ملاؔ نے فقیہہ نکتہ ور
نے مرا از فقر و درویشی خبر

از تب و تابم نصیب خود بگیر
بعد ازیں ناید چو مَن مردِ فقیر

قدرت نے پوری فیاضی سے اُنہیں مختلف علوم پر حاکمیت، دل پُرسوز، اسلام سے والہانہ شیفتگی اور اس کی ترجمانی کی صلاحیت عطا کی تھی وہ قرآن اور فکر محمد عربی ﷺ کے ترجمان ہیں وہ ملّت اسلامیہ کے مفکر اور اُسے اُس کا بھولا ہوا سبق یاد دلانے والے داعی ہیں۔ وہ کئی صدیوں کی غلامی کی وجہ سے مسلمانوں کی رگوں میں منجمد خون میں حرکت اور گردش پیدا کرنے والے رہنما ہیں۔ انہوں نے شعر و شاعری کو ان مقاصد کا ذریعہ بنایا، خود فرماتے ہیں۔

نغمہ کُجا و من کُجا سازِ سخن بہانہ ایست
سوئے قطار می کشم ناقۂ بے زمام را!

رُخ و کاکُل کے گرد گھومنے والی شاعری کو انہوں نے نئی طرح اور نیا اسلوب دیا ہے وہ ایسے منفرد شاعر ہیں جو اپنی طرز کے خود موجد ہیں۔ اگر مجدد کے لفظ کو اصطلاحی معنوں میں نہ لیا جائے اور اسے لغوی معنیٰ تک محدود رکھا جائے تو وہ دنیائے شعر و ادب کے مجدّد ہیں۔

اُنہیں بڑے بڑے کئی دوسرے اساطینِ علم کے مقابلے میں روحِ اسلام کی زیادہ فہم عطا کی گئی تھی۔ مَیں یہاں نظریۂ وطنیت کا ذکر کرنا چاہوں گا۔ یہاں کیسے کیسے لوگوں سے لغزشیں ہوئیں۔ آپ نے دیکھا کہ اس نظریئے

کی صداقت سے دنیا کے نقشہ پر اس وقت کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت وجود میں آئی۔

آج ملت اسلامیہ اپنے گروہی، لسانی اور علاقائی تصورات کے مقابلے میں نقطۂ واحدہ یعنی اسلام کے حوالے سے اپنی جس شناخت کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہی ہے اور جس طرح شعوری یا غیر شعوری طور پر اپنے اصل مرکز کی طرف لوٹ رہی ہے کون کہہ سکتا ہے کہ اس میں اقبالؒ کے صورِ اسرافیل اور اذانِ سحر کا بڑا حصہ نہیں ہے؟

علامہ اقبالؒ کی دعوت کے موضوع متنوع اور کئی ہیں۔ وہ قرآن کی اتباع میں زندگی کی نبض پر ہاتھ رکھتے ہیں۔ ظاہر ہے زندگی کے بے شمار محاذ ہیں۔ علامہ اقبالؒ کے اہم موضوع یہ ہیں:

۱۔ **تعلیم خودی**: یعنی اپنے تشخص کا احساس اور خود شناسی، اس کا تعلق فرد سے بھی ہے اور ملتوں سے بھی، اسے ہم مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ، کی تفصیل سمجھ لیں تو کچھ مضائقہ نہیں۔

۲۔ **جہاد**: خیال رہے کہ ہر قسم کی بُرائی مُعاشرتی ہو یا اقتصادی، کے خلاف جِدّ وجُہد کرنا جہاد ہے، تلوار اٹھانا تو اس کا ناگزیر اور آخری مرحلہ ہے۔

۳۔ اہلِ مغرب کے فکر و فلسفے کے گہرے مطالعے اور مشاہدے کے بعد اُس کی خامیوں اور خرابیوں کی نشاندہی اور ملت اسلامیہ کو اُس سے اجتناب کا مشورہ۔

۴۔ علامہ کا ایک اہم موضوع وسائل رزق کی غیر منصفانہ تقسیم' جاگیرداری' سرمایہ داری' زراندوزی' آمریت' ملوکیت' جبر و استبداد اور انسانوں کو غلام بنانے کے خلاف احتجاج ہے یہ ساتوں ناسور ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ جب ہم جاگیرداری' سرمایہ داری اور ایسے دوسرے الفاظ بولتے ہیں اس سے مراد وہ ذہنی کیفیت ہے جو انسانوں کو انسان کا غلام بناتی ہے۔

میں اس آخری موضوع کے بارے میں علامہ کے نظریات سے چند اشارات پیش کرتا ہوں۔ میں نے انسانوں کو غلام بنانے کی جس ذہنیت کا ذکر کیا ہے اقبال اسے قرآن کا مقصد اور خلاصہ بتاتے ہیں، فرماتے ہیں

چیست قرآں؟ خواجہ را پیغام مرگ
دستگیر بندۂ بے ساز و برگ

علامہ کے کلام میں خواجہ کا لفظ کثرت سے استعمال ہوا ہے ہر جگہ یہی ذہنیت مراد ہے۔ ایک اور جگہ کہتے ہیں

فلک نے اُن کو عطا کی ہے خواجگی کہ جنھیں
خبر نہیں روشِ بندہ پروری کیا ہے!

اس کی وضاحت میں پھر فرماتے ہیں

نسل، قومیت، کلیسا، سلطنت، تہذیب، رنگ
"خواجگی" نے خوب چن چن کے بنائے مسکرات

اللہ تعالیٰ نے رزق کے سب سے بڑے ذریعے زمین کو الارض للہ رزقاً للعباد "سخرلکم مافی السمٰوات ومافی الارض" کہہ کر اپنی ملکیت قرار دیا تو الخلق عیال اللہ کے مطابق اس کے کنبے کا ہر فرد اس میں برابر کا شریک ہوگیا، علامہ فرماتے ہیں ؎

حق زمیں را جز متاعِ ما نگفت

ایں متاعِ بے بہا مفت است مفت

مزید صراحت کرتے ہیں ؎

باطنِ الارض للہ ظاہر است

ہر کہ ایں ظاہر نہ بیند کافر است

زمین کو کن مقاصد کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے، فرمایا ؎

[illegible]

رزق و گور از وے بگیر او را مگیر

دوسری جگہ وضاحت کرتے ہیں ؎

رزقِ خود را از زمیں بردن رواست

ایں متاعِ بندہ و ملکِ خداست

بندۂ مومن امیں، حق مالک است

غیرِ حق ہر شے کہ بینی ہالک است

متقدمین میں سے علامہ ابنِ حزم اور دورِ حاضر میں مفکرِ اسلام شاہ ولی اللہ

محدث دہلوی نے اس بات پر زور دیا ہے کہ وسائل رزق (زمین) وقف شدہ سرائے کی طرح ہیں جو اصولاً سب کی ملک ہوتی ہے۔ علامہ فرماتے ہیں

ای کہ می گوئی متاع ما ز ماست
مرد ناداں ایں ہمہ ملک خداست
ارض حق را ارض خود دانی بگو
چیست شرح آیۂ لا تفسدوا؟

اسلام کے اس انقلابی نظریے کی اقبال کی زبانی یوں اظہار کرتے ہیں

اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب!
پادشاہوں کی نہیں، اللہ کی ہے یہ زمیں

زمیں پر حکمرانی جتانے سے جاگیردارانہ ذہنیت پیدا ہوتی ہے۔ اس سے لوگوں کو کمتر سمجھنے اور غلام بنانے کی رسم شروع ہوتی ہے۔ اقبال اس کے خلاف سراپا احتجاج ہیں۔ فرماتے ہیں



بندۂ حق بے نیاز از ہر مقام
نے غلام او را نہ او کس را غلام
کس دریں جا سائل و محروم نیست
عبد و مولا حاکم و محکوم نیست!

طاسین محمد میں نوحہ ابوجہل کے عنوان سے فرماتے ہیں

"در نگاہ او یکے بالا و پست      با غلام خویش بر یک خواں نشست"

احراراں با اسوداں آمیختند  آبروئے دودمانے ریختند

ایک اور جگہ فرماتے ہیں ؎

ابھی تک آدمی صید زبون شہریاری ہے
قیامت ہے کہ انساں نوع انساں کا شکاری ہے!

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا:

متی استعبدتم الناس وقد ولدتهم امهاتهم احرارا

تم نے کب سے لوگوں کو غلام بنا لیا ہے ان کی ماؤں نے تو انہیں آزاد جنا تھا۔

اقبال فرماتے ہیں ؏

تمیز بندہ و آقا فساد آدمیت ہے

اقبال اس کی مزید وضاحت میں فرماتے ہیں ؎

ہنوز اندر جہاں آدم غلام است  نظامش خام و کارش ناتمام است
غلام فقر آں گیتی پناہم  کہ در دینش ملوکیت حرام است

جہاں ایک جابر طبقہ وسائل رزق پر قابض ہو محنت کش اور مزدور کی جو حالت ہوگی اس کی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔ علامہ اللہ سے فریاد کرتے ہیں ؎

تو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں
ہیں تلخ بہت بندۂ مزدور کے اوقات

کب ڈوبے گا سرمایہ پرستی کا سفینہ ؟

دنیا ہے تری منتظر روز مکافات !

ایک اور جگہ فرماتے ہیں ۔

دست دولت آفریں کو مزد یوں ملتی رہی

اہل ثروت جیسے دیتے ہیں غریبوں کو زکات

سرمایہ دار کی ہوس زر نے جو مکروفریب کی چالیں چلی ہیں، فرماتے ہیں ۔

مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار

انتہائے سادگی سے کھا گیا مزدور مات

مزدور اور محنت کش کی حالت زار کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ۔

سرما کی ہواؤں میں ہے عریاں بدن اس کا

دیتا ہے ہنر جس کا امیروں کو دوشالہ

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اس فرسودہ غیر منصفانہ اور ظالمانہ نظام کے خلاف ایک لفظ بار بار استعمال کیا ہے فک کل نظام اس نظام کی بیخ کنی کر دی جائے اسے جڑ سے اکھاڑ پھینکا جائے۔ اقبال شاہ ولی اللہ کے تتبع میں "فرمان خدا فرشتوں سے" کے تحت فرماتے ہیں ۔

اٹھو میری دنیا کے غریبوں کو جگا دو

کاخ امرا کے در و دیوار ہلا دو

جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہیں روزی

اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو

یہ صورتِ حال تاریخ کی شہادتوں کی روشنی میں ناگزیر ہو جاتی ہے۔ علامہ خود اسی نتیجے پر پہنچے ہیں، کہتے ہیں ۔

ہیچ خیر از مردکِ زرکش مجو

لن تنالوا البر حتیٰ تنفقوا

ایک ازلی حقیقت کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں

پرانی سیاست گری خوار ہے زمیں میر و سلطاں سے بیزار ہے!

گیا دورِ سرمایہ داری گیا تماشا دکھا کر مداری گیا!

اب سوال یہ ہے کہ [illegible] پیدا کریں اقبال کے فکر میں

اس کا سیدھا سادہ جواب یہ ہے کہ حضور سرورِ عالم ﷺ کی اپنی مبارک زندگی، صحابۂ کرام کی زندگیاں سامنے رکھتے ہوئے مال و دولت کی اندھی ہوس کا شعار ترک کر دیا جائے۔ چھٹی صدی عیسوی میں رومۃ الکبریٰ اور ایران کی عظیم حکومتوں میں انسان غربت و افلاس اور سماجی ناانصافی کی چکی میں پس رہا تھا تو سرزمینِ عرب سے یہ پہلی انقلابی آواز تھی جس نے انسان کو غلامی سے نجات دلائی اور اعلان کیا کہ آج کے بعد کوئی قیصر و کسریٰ نہیں۔ لہٰذا آج بھی انسان کو انسان کی غلامی سے آزاد کیا جائے۔

اسلامی انقلاب کا آغاز سماجی انصاف، وسائلِ رزق کی منصفانہ تقسیم

اور اس میں رکاوٹ بننے والوں کے خلاف تہدید سے قرآن مجید کی آیات اس سے بھری ہوئی ہیں۔ صدرِ اول کے مسلمان جن قوتوں کے خلاف برسرِ پیکار تھے' ان میں خدا اور رسول کے منکرین کے علاوہ وہ لوگ تھے جنھیں قرآن مُترفین، مُسرفین اور ظالمین کے خطابات دیتا ہے۔ موجودہ دور میں مذہب و اخلاق بھی معیشت و اقتصاد کی زد میں آتے ہیں اس سے آنکھیں چرانا ممکن نہیں، علامہ نے کہا تھا:

عصرِ حاضر ملک الموت ہے تیرا، جس نے
قبض کی رُوح تری دے کے تجھے فکرِ معاش!

ایک اور جگہ بہت خوب صورت استعارے میں فرمایا ہے۔

مریدے فاقہ مستے گفت با شیخ
کہ یزداں را ز حالِ ما خبر نیست
بما نزدیک تر از شہ رگ است او
ولیکن از شکم نزدیک تر نیست!

علامہ اس بات پر بہت زور دیتے ہیں کہ رزق میں حلال و حرام کی تمیز رکھی جائے۔ یہ باتیں اب قصہ پارینہ بن چکی ہیں مگر اقبال اسے انتہائی اہمیت دیتے ہیں، کہتے ہیں۔

مال را گر بہرِ دیں باشی حمول      نِعمَ مَالٌ صَالِحٌ' گوید رسولؐ'

تا ندانی نکتۂ اکلِ حلال ‏ ‏ بر جماعت زیستن گردد وبال

گر نداری اندر ایں حکمت نظر ‏ ‏ تو غلام و خواجۂ تو سیم و زر

آہ یورپ زیں مقام آگاہ نیست ‏ ‏ چشمِ او ینظر بنور اللہ نیست

او نداند از حلال و از حرام ‏ ‏ حکمتش خام است و کارش ناتمام

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا:

حلال من الدنیا بعض حرام

دنیاوی ضروریات [illegible] سے [illegible]

علامہ اس پہ بہت زور دیتے ہیں اور فرماتے ہیں

با مسلماں گفت جاں بر کف بنہ ‏ ‏ ہر چہ از حاجت فزوں داری بدہ

ایک اور جگہ فرماتے ہیں

جو حرفِ قُلِ العفو میں پوشیدہ ہے اب تک

اس دور میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار!

حضرت علامہ ساری بحث کا خلاصہ دیتے ہوئے کہتے ہیں

کس نہ گردد در جہاں محتاجِ کس

نکتۂ شرعِ مبیں این است و بس

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا مال و دنیا کے خلاف احتجاج، امام ابوحنیفہ کا مزارعت کے خلاف تاریخی فتویٰ، شیخ جلال الدین تھانیسری کا برعظیم کی زمینوں کے بارے میں انقلابی موقف، اکابر صوفیہ کی غمِ ہیچ ندارم کہ ندارم ہیچ،

سے معمور زندگیاں اور عہد قریب میں مولانا حسرت موہانی اور مولانا عبید اللہ سندھی کی خدامت زندگیاں اسلام کے درویشانہ مزاج اور مال و دولت جمع کرنے کے خلاف ــــــ نظریے کا تاریخی تسلسل ہیں۔ علامہ کے نزدیک وسائل رزق میں عدل' سماجی معاملات میں انصاف و مساوات اور بحیثیت انسان' برابری کا عمل اسلام کی دعوت اور اس کا پیغام ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی پیروی کرتے ہوئے علامہ اقبال فرماتے ہیں ۔

تا تہ و بالا نہ گردد ایں نظام
دانش و تہذیب و دیں سودائے خام

دنیا بھوک' افلاس' غربت' بیماری اور جہالت سے تڑپ رہی ہے' بلک رہی ہے' سسک رہی ہے پچاس ساٹھ سال سے علامہ کی مرقد سے دانشوروں' مفکروں اور نوجوانوں سے [illegible]۔

اٹھ کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

## غربت کیسے مٹے گی

[illegible] و دو جہاں [illegible]

[illegible] است و بس

ایک فطری مذہب ہونے کی حیثیت سے اسلام نے معاشی مسئلے کو اپنی بھرپور توجہ کا مرکز بنایا ہے۔ قرآن مجید میں انفاق فی سبیل اللہ یعنی مستحق اور غریب لوگوں کی مدد کرنے انہیں اپنی آمدنی میں شریک کرنے اور ان کی ضروریات کا خیال رکھنے کے بارے میں [illegible] جس قدر تاکید کی گئی ہے غالباً وہ دوسرے مسائل کے مقابلے میں سب سے زیادہ ہے۔ اسلامی انقلاب کے دور آغاز کی مکی سورتیں بالخصوص اس موضوع سے بھری ہوئی ہیں۔ انسانوں پر انسانوں کی حکمرانی، قیصر و کسریٰ کے استبداد اور شدید معاشی و معاشرتی تفاوت نے عام لوگوں کو جن مصائب و مشکلات میں مبتلا کر رکھا تھا اور جس طرح وہ جانوروں سے بھی بدتر زندگی گزار رہے

تھے اسلام کی دعوت ان کے لیے ایسا پیغام رحمت بن کر آئی کہ وہ دیوانہ وار اس کی طرف لپکے۔

سرور عالم ﷺ نے جس معاشرے کی بنیاد رکھی وہ اونچ نیچ، بندہ و مولا، غلام و آقا کے تصور سے یکسر پاک تھا، آپ نے اپنی مبارک زندگی قصداً عام آدمی کی سطح سے بھی نیچے اتر کر گزاری۔ اللہ کا حبیب اور کائنات کا محبوب ساری زندگی چٹائی کے فرش، [illegible] معمولی کپڑوں، انتہائی سادہ کچے گھر اور عام آدمی کی خوراک پر گزر کرتا رہا۔ آپ نے اپنی پہلی تربیت کردہ جماعت صحابہ میں یہی روح پھونکی، خلفائے راشدین اور عام صحابہ کی انتہائی سادہ اور تکلفات سے عاری زندگیاں اسلام کی معاشی تعلیمات کا حقیقی نمونہ تھیں۔ آگے صحابہ کرام کے عملی جانشین یعنی صوفیہ کرام کی عملی تصویر رہے ہیں۔



سرور عالم کی اپنی حیات طیبہ، حضرت ابوذر غفاری کا مال و دولت کے خلاف تاریخی احتجاج، امام ابوحنیفہ کا [illegible] کے خلاف فتویٰ، صوفیہ کی خدامت زندگیاں، شیخ جلال الدین (1) تھانیسری کا اراضی ہند کے بارے میں تاریخی فتویٰ اسی تسلسل کی کڑی ہیں۔



خلافت راشدہ کے بعد مسلمانوں میں ملوکیت در آئی اور بادشاہوں نے قیصر و کسریٰ کے طرز عمل اپنا لیے تو عام مسلمانوں نے اپنی عقیدت و محبت کا رخ ان مشائخ و صوفیہ کی طرف پھیرا جو فقر محمدی کے نمونہ تھے انھیں

محبتوں وعقیدتوں کے خراج ملے ان کے ہاتھوں پر مخلوقِ خدا نے بیعت کی
ہر چند تلواروں کے خوف سے سر حکمرانوں کے سامنے جھکے مگر عام مسلمانوں
کے دل ہمیشہ ان لوگوں کے ساتھ رہے جو اپنی درویشانہ زندگیوں میں
آنحضرت ﷺ کے حقیقی جانشین تھے۔

عام مسلمانوں نے ملوکانہ اداؤں کے مظاہر اور مال و دولت کے
پجاری شاہوں سے ہرگز کچھ نہ لیا ان کا نصب العین اور معیار ہمیشہ سیرت
طیبہ ہی رہی۔ قرآن مجید نے الارض للہ کہہ کر زمین پر انسانوں کی ملکیت
کے خوش کن تصور کی نفی کی اور للسائل والمحروم فرما کر زمین کے وسائل میں
بنی نوعِ انسان کے تمام افراد کو شامل کر لیا گیا۔

اس معاشرے کا انسان معاشی حیوان کہلاتا ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ کسی
ملک کا عام انسان غربت افلاس، ظلم اور غلط معاشی نظام کی چکی میں پس رہا ہو اور
صرف حکمرانوں کے ٹھاٹھ باٹھ دیکھ کر ملک کو خوشحال قرار دے دیا جائے۔
آنحضور ﷺ نے اسی لیے فرمایا تھا کہ "کاد الفقر ان یکون کفرا" تنگ
دستی کفر کے قریب پہنچا دیتی ہے"۔

اسلام ایک رفاہی فلاحی حکومت کا تصور پیش کرتا ہے چونکہ اسلامی
حکومت خدائی احکام کے نفاذ کی ذمہ دار اور امین ہوتی ہے۔ لہٰذا اس کا فرض
ہے کہ وہ ریاست کے ہر فرد کے لیے بنیادی حقوق روزی رزق، علاج معالجہ
گھر وغیرہ کی ذمہ داریاں قبول کرے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے وما من

دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا (سورۃ ہود) فرما کر یہ ذمہ داری زمین میں اپنے خلفاء پر ڈال دی ہے۔

استحصال، امیر کو امیر اور غریب کو غریب کرنے والی تمام صورتوں کو اسلام نے سختی سے رد کر دیا ہے۔ مزارعت "آزاعت" کرائے پر مکان دینا، غیر حاضر زمیندار کا تصور، لا محدود جاگیرداری ایسے مسائل ہیں کہ اب ان کے بارے میں قرآن اور سیرت رسول ﷺ کی روشنی میں دوبارہ غور و خوض کیا جانا چاہیے جب تک ان کے بارے میں صاف دوٹوک اور گول لپٹی کے بغیر نظریات نہیں اپنائے جائیں گے، ملت اسلامیہ بالخصوص پاکستان کے مسائل بڑھتے جائیں گے۔

یہ سب کچھ میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا ان سے احادیث کے ذخیرے بھرے ہوئے ہیں۔ قرآنی تعلیمات واضح ہیں۔

شدید ضرورت ہے کہ اسلام کا جو نظام حقیقی ہے جو اللہ اور رسول کے زیادہ قریب ہے اور وقت کی ضرورت ہے سامنے لایا جائے تاکہ بقول اقبال،

جو حرف "قُلِ الْعَفْوَ" میں پوشیدہ ہے اب تک
اس دور میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار!

کا مظاہرہ ہو۔

اسلام کے نزدیک اَلْخَلْقُ عِیَالُ اللّٰہِ مخلوق اللہ کا کنبہ ہے ایک

ضابطہ ہے۔ چنانچہ علامہ نے کہا ہے کہ ؎

آب و نان ماست از یک مائدہ
دودۂ آدم ''کنفسٍ واحدۃ''

## حوالہ جات

لے ''شیخ جلال الدین تھانیسری (۸۹۶ـ۹۸۹ھ/۱۴۹۱ـ۱۵۸۱ء) پاکستان و بھارت کے ایک مشہور بزرگ۔ شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے خلیفہ جامع علوم ظاہری و باطنی تھے۔ آخری دور میں علوم رسمیہ سے اعراض کر کے خلوت نشین ہو گئے۔ تلاوت قرآن اور نوافل کا التزام کر لیا تھا۔ ''تحقیق اراضی الہند'' ان کی ایک کتاب ہے۔'' (اردو جامع انسائیکلوپیڈیا، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ۱۹۸۸ء صفحہ ۴۷۱) نیز تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے ''اسلام کا نظام اراضی'' از مفتی محمد شفیع مطبوعہ دارالاشاعت کراچی ۱۹۷۵ء (ظہور الدین)

## اسلام اور مناصب حکومت

نظام حکومت کے بارے میں اسلام اور مغربی نقطۂ نگاہ میں بنیادی فرق ہے اور وہ یہ کہ مغربی مفکرین' بلکہ تمام غیر مسلم صرف قانون کی بہتری' جامعیت اور افادیت پر زور دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک کسی قانون کا بہتر ہونا ہی امور سلطنت کو درست اور ٹھیک چلانے کے لیے کافی وشافی ہے۔ البتہ وہ اس کے ساتھ اتنا ضرور قرار دیتے ہیں کہ اس قانون یا نظام کو نافذ کرنے والے افراد متعلقہ قانون کے ماہر ہوں انہیں اس کی تمام پیچیدگیوں کا علم ہو وہ اسے انسانی سوسائٹی اور معاشرے پر لاگو کر سکیں۔ اس کے برعکس اسلام' نظام اور قانون کی بہتری برتری اور جامعیت کے ساتھ ساتھ اسے نافذ کرنے والے افراد کے ذاتی کردار اعمال' نیک نیتی' خدا ترسی اور عدل وانصاف کو بھی شرط اولیں قرار دیتا ہے۔ ایک نظام قانوناً گو ہر لحاظ سے مکمل ہے اسے نافذ کرنے والا قانون کا ماہر ترین شخص ہے' مگر اپنے کردار وعمل میں کھوٹا' راشی' ظالم اور بدنیت ہے تو اس کے مطلوبہ نتائج کبھی برآمد نہیں

ہوں گے۔

انسانی سوسائٹی اور معاشرے کو ظلم اور بے انصافی سے بچانے کی خاطر اعلیٰ ڈگریوں اور تمغوں کی بجائے، دیانت، عدل، انصاف اور تقویٰ کی ضرورت ہے چاہے وہ بظاہر ایک نسبتاً کم تعلیم یافتہ آدمی سے ہی میسر کیوں نہ آئیں۔ انسانی معاشرہ اپنے مسائل کے حل کے لیے جو کچھ طلب کرتا ہے موجودہ ہیئت آپ اسے مہیا کرنے سے عاری ہے چنانچہ معاشرہ دن بدن مسائل میں گھرتا جا رہا ہے۔ اس طرح بیشتر مسلمان ممالک مغربی نظام کی کورانہ تقلید میں مصروف ہیں۔ اس لیے ان ممالک میں حکومت کا ہر عہدہ دیتے وقت چند مصنوعی قسم کی ڈگریوں اور ان میں بھی حاصل کردہ نمبروں کی ترتیب کا اعتبار ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ یہ لوگ اسلام کے اخلاقی نظام اور حکومت کی ذمہ داریاں سنبھالنے سے متعلق اسلامی معیار سے نہ صرف یہ کہ نابلد ہوتے ہیں بلکہ ان فٹ اور نااہل ہوتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہر اچھی سے اچھی تجویز اور بہتر سے بہتر پروگرام اسے نافذ کرنے والے سفید ہاتھیوں کے کردار وعمل کی بھینٹ چڑھ جاتا ہے اور مسلمان قوم ایک قدم آگے بڑھنے کے بجائے کولہو کے بیل کی طرح اپنے پاؤں پر گھومنے کے بیکار عمل میں مصروف ہے۔



حیرت ہے کہ ملک کے ارباب فکر ونظر اس بنیادی خامی کی طرف توجہ کیوں نہیں دیتے۔ انگریز بہادر کا مرتب کردہ یہ ڈھانچہ ضلعی سطح تک ڈپٹی کمشنر

اسسٹنٹ کمشنر، تحصیلدار، گرداور اور پٹواری کی صورت میں پھیلا ہوا ہے۔ اس گروہ کا شروع سے اپنا ایک دائرہ کار ہے۔ اس کے ہاں مخصوص قسم کی اصطلاحات، دفتری پیچیدگیاں، حاکمانہ وضع قطع اور ہر معاملے میں الجھاؤ کا طریق کار ہے جو اسے انگریز سے ورثے میں ملا ہے۔ ان کی ذہنیتیں اس طریق کار کے علاوہ کچھ سوچ ہی نہیں سکتیں۔ ان کے نزدیک شرافت، عزت اور بڑا آدمی ہونے کے اپنے معیار ہیں یعنی جو ان کے سرکار دربار سے تعلق نہیں رکھتے وہ کتنے ہی پڑھے لکھے، دیانت دار، مخلص، اچھی شہرت کے حامل اور محب وطن کیوں نہ ہوں اس گروہ کے نزدیک ان کی کوئی اہمیت نہیں اور یہ ان کے نام تک سے واقف نہیں ہوتے البتہ خوشامدیوں، کاسہ لیسوں، روایتی [illegible] جو ان کے ہاں تانتا بندھا رہتا ہے۔ حکومت کا ہر پروگرام چاہے کتنی ہی نیک نیتی سے شروع کیا جائے پھر کر بالآخر اسی گروہ کے ہاتھوں میں آ جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ پھر وہی لوگ مناصب پر فائز ہو جاتے ہیں یا حکومت کی طرف سے کمیٹیوں کے نمائندہ بن جاتے ہیں جو ان لوگوں کی گڈ بک میں درج ہوتے ہیں اور جو شخصی اعتبار سے اسی ذہنیت کے مالک ہوتے ہیں جس کے خود یہ افسران۔

دوسری طرف بار بار کے تجربات اور ان کی ناکامی نے اچھے لوگوں کو مایوس کر دیا ہے یوں تو مخلص، نیک نیت، خدا ترس اور عوام کے معتمد علیہ لوگوں کی کمی نہیں مگر وہ خود بخود سامنے اس لیے نہیں آتے کہ ان کے نزدیک

یہ صرف ایک دلچسپ مذاق اور حکومت کا اپنے پیریڈ کو طویل کرنے کا منصوبہ ہے۔ اگر کوئی حکومت پوری دیانت داری اور سچائی سے اصلاح احوال کی کوششوں میں مصروف ہو تو بھی ایسے حضرات ذہنی طور پر اس سے تعاون پر آمادہ نہیں ہو پاتے۔ ادھر مجاز افسران کی یہ کھیپ اپنی حاکمانہ وضع کے خلاف سمجھتی ہے کہ پٹواری و گرداور کی مسخ شدہ ذہنیت پر اعتماد کرنے کے بجائے اپنے حلقے کے معقول اور دیانت دار لوگوں سے براہ راست رابطہ قائم کرے۔ عرصہ دراز کی تفریق اور خلیج نے دیوار تو کھڑی کر دی ہے۔ اب اگر حکومت کے عمال اتنے بے غرض اور مغرور ہیں تو وہ اہل علم اصحاب جو کردار و سیرت کے لحاظ سے ان افسران سے زیادہ معزز ہیں آخر کیوں ان کے سامنے جوتیاں چٹخاتے پھریں۔ معاشرے کے عوام کا فیصلہ ایک لحاظ سے فطری اور قدرتی فیصلہ ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ یہ دیانت دار افراد مناصب سے کٹتے چلے گئے جن کی بتدریج کمی ہوتی جاری ہے۔ عوام، افسران کو آج بھی (الا ماشاء اللہ) اس کی وہ حقیقی وقعت نہیں دیتے۔

اب ہم مناصب حکومت کے بارے میں اسلامی نقطۂ نگاہ پیش کرتے ہیں۔ اسلام کے نزدیک معاشرے کے اجتماعی امور میں بڑے ذہین و فطین لوگوں کی نسبت جن کا کردار پست اور عمل غلط ہو ایسے گمنام اور مسکین لوگ زیادہ مفید ہیں جو اپنے کردار و عمل میں بے داغ ہیں۔ انسانی سوسائٹی، میدان عمل میں علمی مناظرہ بازی اور مُہرہ بازی کے بجائے حق و صداقت اور

عدل و انصاف کی زیادہ ضرورت مند ہے۔ اسلام کے قرن اول میں مناصب حکومت سپرد کرتے وقت تقویٰ' للٰہیت' خدا ترسی اور نیک نامی کے اوصاف کو اولین شرط قرار دیا جاتا رہا ہے۔ ارشاد باری ہے:

وعد اللہ الذین امنوا منکم وعملوا الصلحت لیستخلفنهم فی الارض (۱)

"تم میں سے جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہیں اللہ نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں زمین پر خلیفہ بنائے گا۔"

خلافت کے لیے ایمان اور عمل صالح (مجموعی کردار) کی اہمیت اس آیت کی روشنی میں محتاج بیان نہیں۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

لاینال عہدی الظلمین (۲)

"میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا۔"

ایک اور مقام پر:

ولا تطیعوا امر المسرفین الذین یفسدون فی الارض ولا یصلحون ٥ (۳)

"اور اطاعت نہ کرو ان حد سے گزر جانے والوں کی جو زمین میں فساد کرتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے"۔

مزید فرمایا:

ان اکرمکم عند اللہ اتقکم ٥ (۴)

"تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہیں جو زیادہ پرہیزگار ہیں"۔

دوسری جگہ فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا (۵)

"اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے سپرد کرو"۔

قرآن مجید کی یہ چند آیات ہم نے بطور نمونہ درج کی ہیں ورنہ سینکڑوں آیات واحادیث ایسی موجود ہیں جن میں واضح طور پر مسلم سوسائٹی کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ مناصب حکومت سپرد کرتے وقت صرف اور صرف خدا ترسی' دیانت داری' امانت' عدل وانصاف اور اچھی شہرت کو ملحوظ خاطر رکھے۔ مناسب معلوم ہوگا اگر ہم یہاں پر خلافت راشدہ کے پہلے دو خلفاء کی زندگی کی مختصر سی جھلک قارئین کے سامنے پیش کریں۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اسلام اپنے اولین دور میں منصب حکومت سپرد کرتے وقت ہمارے لیے کیا نمونہ پیش کرتا ہے۔



حضرت ابوبکر صدیق ؓ خلافت سے پہلے کپڑے کی تجارت کرتے تھے جب خلیفہ بنائے گئے تو حسب معمول صبح کو کپڑے کے تھان لے کر بازار میں فروخت کرنے کے لیے تشریف لے چلے' راستہ میں حضرت عمر ؓ ملے پوچھا "کہاں چلے" فرمایا "بازار جارہا ہوں"۔ حضرت عمر ؓ نے عرض کیا کہ اگر تجارت میں مشغول ہوگئے تو خلافت کے کام کا کیا ہوگا۔ فرمایا پھر اہل وعیال کا کیا کروں؟ عرض کیا ابوعبیدہ ؓ کے پاس چلیں۔

انہیں آنحضور ﷺ نے امین اُمت کا لقب دیا ہے وہ بیت المال سے آپ کے لیے کچھ وظیفہ مقرر کر دیں گے۔ دونوں حضرات ان کے پاس تشریف لے گئے تو انہوں نے ایک مہاجر کو اوسطاً جو کچھ ملتا ہے مقرر فرما دیا نہ زیادہ نہ کم۔ ایک مرتبہ بیوی نے کہا: کوئی میٹھی چیز کھانے کو دل چاہتا ہے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے پاس پیسے نہیں کہ خریدوں۔ اہلیہ نے عرض کیا: ہم اپنے کھانے میں تھوڑا سا بچا لیا کریں کچھ دنوں میں اتنی مقدار ہو جائے گی۔ آپ نے اجازت فرما دی۔ اہلیہ نے کئی روز میں تھوڑے سے پیسے جمع کیے۔ آپ نے فرمایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اتنی مقدار بیت المال سے ہمیں زیادہ ملتی ہے۔ چنانچہ اہلیہ نے جو کچھ جمع کیا تھا وہ بیت المال میں جمع فرما دیا اور آئندہ کے لیے اتنی مقدار اپنی تنخواہ سے کم کر دی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تجارت کیا کرتے تھے جب خلیفہ بنائے گئے تو مدینہ طیبہ میں لوگوں کو جمع کر کے ارشاد فرمایا: میں تجارت کیا کرتا تھا اب تم لوگوں نے اس میں مشغول کر دیا اب گزر کی کیا صورت ہو۔ لوگوں نے مختلف مقدار میں وظیفہ مقرر کرنے کو کہا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ چپ بیٹھے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا تمہاری کیا رائے ہے؟ آپ نے فرمایا جس میں آپ کے اہل وعیال کا گزارہ بخوبی ہو سکے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ رائے پسند فرمائی۔ اس کے بعد ایک مرتبہ ایک مجلس میں جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے اور حضرت عثمان، حضرت زبیر، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہم

شریک تھے۔ بات چل پڑی کہ حضرت عمرؓ کے وظیفہ میں اضافہ کرنا چاہیے کیونکہ ان کی گزر تنگی میں ہوتی ہے، مگر ان سے عرض کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ اس لیے آپ کی صاحبزادی اُمّ المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں یہ حضرات تشریف لے گئے اور ان کے ذریعے حضرت عمرؓ کی اجازت اور رائے معلوم کرنے کی کوشش کی۔ جب حضرت حفصہؓ نے والد سے اس کا تذکرہ کیا تو چہرہ پر غصے کے آثار نمودار ہو گئے۔ حضرت عمرؓ نے ان کے نام دریافت کیے حضرت حفصہؓ نے عرض کیا پہلے آپ کی رائے معلوم ہو جائے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اگر مجھے ان کے نام معلوم ہو جاتے تو ان کے چہرے بدل دیتا تو ہی بتا کہ حضورﷺ کا عمدہ سے عمدہ لباس تیرے گھر میں کیا تھا؟ انہوں نے عرض کیا دو گیروے رنگ کے کپڑے جن کو حضور جمعہ کے دن یا کسی وفد کی آمد پر پہنتے۔ پھر فرمایا کون سا کھانا تیرے یہاں عمدہ سے عمدہ تھا؟ عرض کیا ہمارا کھانا جو کی روٹی تھی۔ فرمایا کون سا بستر عمدہ ہوتا تھا جو تیرے یہاں بچھاتے تھے۔ عرض کیا ایک موٹا سا کپڑا تھا گرمی میں اس کو چوہرا کر کے بچھاتے تھے اور سردی میں آدھا بچھا لیتے اور آدھا اوڑھ لیتے۔ فرمایا حفصہ! حضورﷺ نے ایک انداز مقرر فرما دیا تھا اور آخرت پر کفایت فرمائی۔ میں بھی حضورؐ کا اتباع کروں گا۔ میری مثال اور میرے دو ساتھی حضور اکرمﷺ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی مثال ان تین شخصیتوں کی ہے جو ایک راستہ پر چلے پہلا شخص ایک توشہ لے

کر چلا اور مقصد کو پہنچ گیا۔ دوسرے نے بھی پہلے کا اتباع کیا اور اسی طریقہ پر چلا وہ بھی پہلے کے پاس پہنچ گیا۔ پھر تیسرے شخص نے چلنا شروع کیا اگر وہ ان دونوں کے طریقہ پر چلے گا تو ان کے ساتھ مل جائے گا۔ اگر ان کے طریقے کے خلاف چلے گا تو کبھی بھی ان کے ساتھ نہیں مل سکے گا۔

وقت آ گیا ہے کہ ہم انگریز کے قائم کردہ خول سے باہر نکل آئیں۔ ہم بڑی بڑی ڈگریوں اور دو سطری اعزازات کے حامل بدباطن لٹیروں اور چور گرداروں کے بجائے دیانت دار، اخلاص مند، متقی اور ایماندار افراد کے ہاتھ میں ملت اسلامیہ کی راہنمائی کا فریضہ سونپ دیں۔ دنیاوی تکلفات اور مصنوعی آداب کے حامل تو شاید یہ لوگ نہ ہوں گے مگر ایک دفعہ ملک کو جنت کا نمونہ بنا دیں [illegible] جیسے اہل عرب کی اسلام سے قبل اور اسلام کے بعد کی [illegible] سلسلے میں میں چند تجاویز پیش کرتا ہوں۔

- حکومت ہر ضلع میں چار افسران کو مقرر کرے جو اپنے اپنے حلقے میں نیک شہرت، دیانت دار اور معتمد علیہ افراد کی ایک فہرست تیار کرے۔ یہ فہرست گرداور، پٹواری اور تحصیل دار کے ذریعے نہیں بلکہ علماء، شرفاء، سادات اور متقی لوگوں کی وساطت سے تیار کروائی جائے۔ اس کا دائرہ صرف شہروں تک محدود نہ رکھا جائے بلکہ دیہاتی علاقوں کو فراخ دلی کے ساتھ شامل کیا جائے۔

○ یہ لسٹ کھرے سونے کی سی تحقیقی نیت کے ساتھ تیار کی جائے۔

○ پھر ایسے تمام لوگوں کو ذمہ دار افسر باعزت طریقے پر بلا کر یا خود ان کے پاس جا کر ملیں۔ یہ ملاقات روایتی انداز کی نہیں بلکہ تعمیری اور بامقصد ہو۔

○ اس طرح کچھ وقت صرف ہوگا مگر پورے ملک میں حکومت کے پاس ایسے افراد کی فہرست موجود ہوگی جن کے ذریعے حکومت اپنا ہر پروگرام آسانی کے ساتھ نافذ کر سکے گی۔ اس قسم کے لوگ رضاکارانہ طور پر کام کرنے کو ترجیح دیں گے۔ اس طرح حکومت کے خزانے پر زیادہ بوجھ نہیں پڑے گا۔ حکومت اس امر سے بخوبی آگاہ ہے کہ بلدیاتی انتخابات میں بھی کافی احتیاط کے باوجود اکثریت انہی طالع آزماؤں کی منتخب ہو کر آجاتی ہے جو برسوں سے اس میدان کے کھلاڑی ہیں۔



○ پی سی ایس وغیرہ کی طرز کے تمام امتحانات کے طریق کار ان میں کامیابی اور اہلیت کی شرائط یکسر بدل دی جائیں۔ اس میں کامیابی کے لیے اسلامی اصول مدنظر رکھے جائیں۔

○ وقتی اور ہنگامی طور پر موجود افسران سے کام چلایا جائے' البتہ بری شہرت کے تمام لوگوں کو فارغ کر دیا جائے۔ اور ان کی جگہوں پر بغیر ڈگریوں والے کسی خداترس اور دیانت دار لوگوں کو معمولی تربیت

دے کر تعینات کیا جائے۔

- ملک کے بڑے سے بڑے عہدے سے لے کر چپراسی تک کے لیے منصب پر مقرر کرتے وقت اسلامی اخلاق و کردار و دیانت داری اور فرض شناسی کو ضروری شرط قرار دیا جائے۔

توقع ہے کہ اگر اس قسم کی چند ضروری باتیں بنیاد کے طور پر حکومت تسلیم کرلے تو تھوڑے وقت میں اس کے مثبت نتائج سامنے آنے لگیں گے بصورت دیگر یہ ملک تو صرف پروگرام اور منصوبے کاغذی حد تک خوب صورت رہے گا عملی اعتبار سے اس کا نتیجہ صفر برآمد ہوگا۔



## حوالہ جات

۱۔ النور: ۵۵
۲۔ البقرہ: ۱۴۳
۳۔ الشعراء: ۱۵۱، ۱۵۲
۴۔ الحجرات: ۱۳
۵۔ النساء: ۵۸

حاصل ہے۔

میرا تجزیہ یہ ہے کہ قیام پاکستان کے بعد سے آج تک قائم ہونے والی حکومتیں اور جماعتیں قوم کے ساتھ مسلسل مذاق کر رہی ہیں اور افسوسناک بات یہ ہے کہ اس مذاق میں اب وہ لوگ بھی شریک ہیں جو زندگی بھر معاشی انصاف پر مبنی اسلامی معاشرے کی تشکیل کے لیے جدوجہد کرتے رہے ہیں۔ اب صورت حال یہ ہے کہ لوگ تنگ آ چکے ہیں اور اگر فوری طور پر انقلابی اصلاحات کے ذریعے زندہ معاشرے کی تشکیل کا عمل شروع نہ کیا گیا تو اندیشہ ہے کہ صدیوں کے فاصلے مہینوں اور دنوں میں طے ہو جائیں گے اور تباہی کا وہ عمل شروع ہو جائے گا جس سے بچنا ممکن نہیں ہوگا۔

یہ انقلابی اصلاحات کب اور کیسے شروع ہوں اس کے بارے میں سوچنا اور منصوبہ بندی کرنا اصلاً اس قیادت کی ذمہ داری ہے جو اپنے آپ کو عوامی قیادت کے منصب پر فائز سمجھتی ہے لیکن میرے خیال میں موجودہ قیادت خواہ اس کا تعلق دائیں بازو سے ہو خواہ بائیں بازو سے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے محروم ہو چکی ہے اور یہ توقع ہی فضول ہے کہ مفاد پرستوں کا یہ گروہ اس خلا کو پُر کر سکے گا جو قیادت اور عوام کی سوچ میں واقع ہو چکا ہے اور جو اصل مسائل کی جڑ ہے۔ آخر یہ مذاق نہیں تو اور کیا ہے کہ خلافت پاکستان کا منشور پیش کرنے والا مولانا عبدالستار خاں نیازی بھی جمیعتہ العلماء پاکستان میں شمولیت کے بعد نہ تو جاگیرداری اور سرمایہ داری

کے خاتمے کی بات کرتا ہے، نہ مزارعت کی حرمت کی بات کرتا ہے نہ فلاحی
معاشرے کے قیام کے سلسلے میں بدمعاش صنعت کاروں، جاگیرداروں اور
سرمایہ داروں کی طرف سے ڈالی جانے والی رکاوٹوں کا ذکر کرتا ہے۔

میرے خیال میں یا تو بے عمل مولویوں کی صحبت اس شاہین کی پرواز
میں کوتاہی کا سبب بنی ہے یا پھر بڑے بڑے جلسوں نے اس کی انقلابیت پر
مضر اثرات ڈالے ہیں اور وہ اس طرح ان جلسوں کو ہی کامیابی کا راستہ سمجھ
بیٹھا ہے حالانکہ آپ سے [illegible] اور [illegible] انسان "احرار" کی
تاریخی ناکامی اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہے۔

آپ میری اس بات سے یقیناً اتفاق فرمائیں گے کہ اس وقت قوم
نہ تو مذہب کی ایسی صورت حال قبول کرنے پر آمادہ نظر آتی ہے جس میں اس
کے معاشی مسائل کا حل نہ ہو اور نہ ایسی [illegible] سے کوئی دلچسپی ہے
جو اسے معاشی انصاف مہیا نہ کر سکے۔ یہ درست ہے کہ مذہب کو ابھی تک
حکومت کی کسوٹی پر جانچا نہیں گیا لیکن یہاں کے مذہبی جماعتوں اور
اشخاص نے عام آدمی کے مسائل سے جس طرح اغماض برتا ہے اور ان کے
معاشی مسائل کو کفر اور لادینیت کا نام دیا ہے اس کے بعد وہ کسی خوش فہمی میں
مبتلا نہیں بلکہ میں اگر یہ کہوں تو بے جا نہ ہوگا کہ مسلسل محرومیوں نے اس کی
سوچ میں انتقام کا زہر بھر دیا ہے اور اب وہ ہر اس نظام کو تہ و بالا کرنے کے
درپے ہے جو اس کے پیٹ کے مسئلے کو اہمیت دینے کے لیے تیار نہیں۔

یہ صحیح ہے کہ شکم پروری ہی انسان کا مقصد حیات نہیں' بلکہ کچھ اور بھی اخلاقی اور روحانی ضروریات ہیں جو انسان کے لیے اہمیت کی حامل ہیں' مگر یہ دلیل اس وقت کارگر ہوگی جب پورا معاشرہ مفلوک الحال یا وسائل کی کمی کا شکار ہو' لیکن اگر صورت حال یہ ہو کہ ایک انسان تو اپنے اکلوتے بیٹے کو موت کے منھ سے بچانے کے لیے طبیب سے دوائی لینے کی سکت نہ رکھتا ہو اور دوسرا انسان محض تفریح طبع کے طور پر لاکھوں روپے اڑا رہا ہو تو آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ایسا معاشرہ کس قسم کی طبقاتی کشمکش کا شکار ہوگا۔

اب نہ تو دائیں اور بائیں بازو کی تقسیم پاکستان کے لیے نقصان دہ رہی ہے اور نہ مجرد مذہب کا نعرہ یا جمہوریت کا دلفریب راگ' لوگوں کی تسکین کا باعث بن سکتا ہے' اب تو ضرورت ہے کہ اس ملک کو بچانے اور اس ملک میں مذہب کے وجود کو برقرار رکھنے کے لیے دور ملوکیت کے فرسودہ نظام اخلاق و معاملات کے بجائے دور رسالت مآب ﷺ اور عہد خلافت راشدہ کے اسلام کا نقشہ لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے۔ آنحضور ﷺ کے فرمان نحن معشر الانبیاء لا نرث و لا نورث کو محض اخلاقی تعلیم یا مسئلہ باغ فدک کے حل کا ذریعہ نہ سمجھا جائے بلکہ اسے پاکستان میں معاشی نظام کے قیام کی بنیاد بنایا جائے اور جس طرح آپ آج سے کئی سال قبل بزم خلافت پاکستان کے منشور کی تشریح میں' ملکیت مطلقہ کو بطور قارونیت سمجھا کرتے تھے، اب پھر میدان میں اتریں اور اسلام کی وہ تعبیر پیش

قدریں جو ملوکیت کی آمد سے پہلے مسلم معاشرہ کا طرۂ امتیاز تھیں، جہاں ایک شخص اس وقت تک مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں بنتا تھا جب تک وہ اپنے ہمسائے کی ضرورت کو اپنی ضروریات پر ترجیح نہ دے اور جہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے آنحضور ﷺ کا عطا کردہ اراضی کا ٹکڑا صرف اس لیے واپس لیتے نظر آتے ہیں کہ اب حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اس کی ضرورت نہ رہی تھی۔

اس کی توقع ہمیں صرف آپ سے اس لیے ہے کہ دیگر جماعتوں اور جمعیۃ علمائے پاکستان کے بیشتر افراد کا حدود اربعہ ہمیں خوب معلوم ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ آپ کی زندگی لوگوں کے چندوں اور نذرانوں پر بسر نہیں ہوئی اور نہ آپ کسی جاگیردار، سرمایہ دار اور صنعت کار کے دستر خوان کو عزیز رکھنے والے انسان ہیں پھر آپ ایک مدت تک ان جاگیرداروں، سرمایہ داروں، عیاشوں، معاشی قماشوں، مترفین، طاغین اور بے عمل مذہبی لوگوں کے خلاف جہاد بھی کرتے رہے ہیں اور آپ کو غریبوں کی مشکلات کا احساس بھی ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ یہاں کا غریب انسان کس قدر مظلوم اور آفت زدہ ہے۔ وہ دیہاتوں میں زمینداروں اور پیروں اور شہروں میں سرمایہ داروں اور مولویوں کے معاشی، مذہبی اور معاشرتی ظلم کا نشانہ بنا ہوا ہے۔ تیس ۳۰ سال تک یہ ظلم برداشت کرتا رہا فقط اس لیے کہ اسے روشن صبح کی امید تھی، وہ کبھی جمہوریت کی ٹھنڈی چھاؤں میں جینے کے خواب دیکھتا رہا اور

کبھی مذہب کے پاکیزہ محلات میں زندگی بسر کرنے کی آرزو میں دل میں پالتا رہا۔ لیکن ۱۹۷۷ء کی تحریک کے بعد یہاں جمہوریت کے نام لیواؤں اور مذہب کے علمبرداروں نے جس اخلاقی دیوالیے پن کا ثبوت دیا اور اپنے گھٹیا مفادات کے لیے قوم کی قربانیوں کو جس طرح پس پشت ڈالا اس نے اُسے مایوس کر دیا ہے وہ سمجھتا ہے کہ جب یہ نظام اسے جینے کا حق دینے کے لیے تیار نہیں تو پھر یہ نظام ہی کیوں رہے۔

ہم تو ڈوبے ہیں صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے

حضرت والا! قبل اس کے کہ یہاں کا غریب انسان اپنے دکھوں سے عاجز آ کر خودکشی کرنے پر آمادہ ہو جائے اور اس خودکشی کے لیے ہتھیار ان لوگوں کو بنائے جو مذہب شرافت اور اخلاقی اقدار کے خاتمے کی دعائیں مانگ رہے ہیں اور عملی طور پر مصروف [illegible] ہیں کیا ایسا ممکن نہیں کہ آپ مظلوم [illegible] کر اور سیاہ دلوں کے گناہوں کی سیاہی سے اس کے تاریک چہرے کو حقیقت کی روشنی اور عصری تقاضوں کے زیورات سے آراستہ کر کے محروم طبقوں کو لادینیت سے بچائیں۔

جیسا کہ آپ کو علم ہے اور مجھے سو فی صد یقین ہے کہ آپ کو اس کا علم ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ مذہب کا یہ تصور لے کر نہیں آئے تھے جو آج کے نیم ملا اور بدخصلت انسان ہمارے سامنے پیش کر رہے ہیں بلکہ وہ انقلابی دین

آج بھی انسانیت کو انقلاب آشنا کر سکتا ہے تو پھر کیوں نہ ہم مصلحتوں کے خول سے نکلیں اور مفادات کی دیواروں کو گرا کر اسلام کا رخ تابناک انسانیت پر عیاں کریں۔

ہمیں معلوم ہے کہ اقتدار ہی وہ ذریعہ ہے جو خوب صورت پروگراموں اور انقلابی منصوبوں کو عملی صورت دے کر ان کے مفید نتائج سامنے لاتا ہے اور آپ کے پاس اقتدار [illegible] موجود نہیں لیکن اقتدار بھی تو اس صورت میں حاصل ہوگا کہ عوام کی اکثریت آپ کو اقتدار کا اہل اپنے دکھوں کا مداوا کرنے والا اور اپنا خیر خواہ سمجھے اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ آپ اور آپ کی جماعت عوامی مسائل کی بات کرے ہم دیکھ رہے ہیں کہ عوام کا [illegible] افلاس کے ہاتھوں جاں بلب ہے، مگر ہمارے رہنما لوگوں کو وعظ [illegible] ایک دوسرے کے خلاف الزام تراشی کر کے بیوقوف بنانے کا کارنامہ سرانجام دے رہے ہیں۔

میری فکر میں اب [illegible] کہ ہم نے عوام کی ضروریات کا اندازہ لگانے میں غلطی کی اور ملک کے ۸۰ فی صد لوگوں کی سوچ سے آگاہی حاصل کرنے میں ناکام رہے۔

اب اگر ہم اسلام اور پاکستان کے ساتھ بلکہ میں کہوں گا کہ اپنے ساتھ مخلص ہیں تو ہمیں چاہیے کہ فوری طور پر ان اقدامات کا اعلان کریں جو برسر اقتدار آ کر جمعیت فوری طور پر کرے گی۔ یہ اعلان اور وعدے مولویانہ

طرز کے روایتی نعرے ہونے چاہئیں اور نہ ان کا لہجہ جاگیردارانہ اور سرمایہ دارانہ مفادات کے تحفظ کی غمازی کرتا ہو۔ ہمیں چاہیے کہ ہم خلوص دل کے ساتھ عوامی مسائل کا فہم وادراک رکھتے ہوئے اسلام کے انقلابی اُصولوں کی بالادستی کا اعلان کریں اور لوگوں سے وعدہ کریں کہ ہم برسر اقتدار آ کر پہلے یہ اقدام کریں گے۔

حضرت! ازراہ کرم اگر مخلص ہیں تو آئیے تعین کیجیے اور ایسے دوسرے اقدامات سرے سے اس قوم کے مسائل ہی نہیں، قوم ان مسائل سے دوچار ہے یا اُسے جن پریشانیوں کا سامنا ہے پہلے انہیں سمجھنا تو چاہیے کہ وہ کیا ہیں؟

اب مناسب ہوگا کہ میں اپنی دانست میں ان کم از کم اقدامات کی نشاندہی کروں، جو جمعیت کے منشور، آپ کی پالیسی تقاریر اور بیانات کی بنیاد بننے چاہئیں، میں ایک عرصے کے طویل [illegible] پر پہنچ چکا ہوں کہ اگر ایسا نہ ہوا تو پھر ہمیں کم از کم تباہی کا سامنا کرنے کے لیے تیار رہنا چاہئے جو ہم پر نازل ہونے والی ہے اور یہ باتیں ایسی ہیں کہ ان کی اہمیت سے آپ کو انکار نہیں ہوگا لیکن میں گزارش کروں گا کہ یہ کسی مصلحت، غفلت اور بعض عاقبت نااندیشوں کی چرب لسانی اور سیاہ کو سفید دکھانے کی عادت کی بھینٹ نہیں چڑھنی چاہئیں۔

○ پورے ملک میں ہر شخص کے پاس صرف اتنی زمین رہنے دی جائے جتنی وہ خود کاشت کر سکتا ہے۔ غیر حاضر زمینداروں کو ایک

مزارعہ بھی نہ دیا جائے مزارعت ممنوع قرار دی جائے۔

اس کے لیے ہمارے پاس قرآن احادیث فقہ اور آثار سلف میں مضبوط بنیاد اور دلائل موجود ہیں۔

- بڑی بڑی صنعتوں کے منافع میں مزدوروں کو باقاعدہ حصہ دار بنایا جائے اس کے لیے صرف مالکان پر اعتماد نہ کیا جائے۔
- ہر شخص کی ملکیت [illegible] صرف وہی مکان رہنے دیا جائے جس میں وہ رہائش پذیر ہے باقی [illegible] ضرورت مندوں میں تقسیم کئے جائیں۔
- تمام رشوت خور بدمعاش اور ظالم افسروں کو یکسر نکال دیا جائے ان کی جگہ عوام میں سے اچھی شہرت کے حامل لوگ چاہے وہ معمولی تعلیم یافتہ ہوں [illegible] تعینات کئے جائیں۔
- پولیس سے [illegible] کی اصلاح ممکن نہیں ہے ان کے [illegible] ایک متوازی انداز سے قائم کیا جائے جس نے اہل کاروں کو تعلیم تربیت اور انداز تفتیش وغیرہ پولیس کے لوگ نہیں بلکہ معزز اور اسلامی ذہن رکھنے والے لوگ سکھائیں۔
- ملک میں خوراک کی اشیاء کا راشننگ سسٹم فوراً ختم کر دیا جائے۔
- علاج معالجہ، تعلیم اور وسائل رزق میں درجہ بندی اور تفاوت ختم کیا جائے۔

یہ ہیں وہ کم از کم اقدامات جن کے بغیر پاکستان میں ہر تجویز اور اسکیم صرف نقش بر آب ثابت ہوتی رہے گی۔

مجھے توقع ہے کہ جناب والا میری گزارشات پر ٹھنڈے دل اور ہمدردی سے غور فرمائیں گے اگر میرے اس خط میں لفظی طور پر کہیں کوئی تلخی آ گئی تو اسے گستاخی کے بجائے میرے دل کے کرب اور اضطراب پر محمول فرمائیں گے۔

مجھے امید ہے کہ جناب والا مجھے ضرور اس خط کا جواب عنایت فرمائیں گے۔ تاہم اس خط کے بعد میں اپنے آپ کو اس بارے کچھ ہلکا محسوس کر رہا ہوں جسے میں اپنے لیے ناقابل برداشت بار پاتا تھا۔

## بے ید بیضا ہے پیرانِ حرم کی آستیں

اس بات سے شاید ہی کسی کو اختلاف ہو کہ معتدد علمائے کرام اور اکابر مشائخ طریقت کے جانشین عوام میں اثر و رسوخ کے اعتبار سے آج بھی بہت بڑی قوت کے مالک ہیں۔ ان کی قوت اور اثر و رسوخ کا اندازہ دونوں کی گنتی سے لگایا جا سکتا ہے کہ انگریز کے تسلط سے لے کر موجودہ دور تک ان کے خلاف [illegible] حکومتوں کے بناؤ بگاڑ کی گھناؤنی تاریخ نے عوام کو مجبور کر دیا ہے کہ وہ سرکاری درباری لوگوں اور جماعتوں کے ساتھ وابستگی [illegible] میں مصروف رہیں۔ اب وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ پشتینی جاگیرداروں، سرمایہ داروں، نوابوں اور مخدوموں کے بوریا چٹائیوں پر بیٹھنے والے یہ لوگ بھی اقتدار کے اہل ہو سکتے ہیں جب کہ سرکاری درباری حضرات ہر حکومت کے ساتھ غیر مشروط وفاداریوں کی تاریخ کے زندہ و جاوید کردار ہیں۔ ان میں بعض بڑی بڑی خانقاہوں کے گدی نشین بھی شامل ہیں۔ اس لیے کہ وہ اپنے بزرگوں کی نیک کمائی کی بدولت

اسی طبقے میں شامل ہو چکے ہیں جو اپنے آپ کو مالک الرقاب اور آسمانی مخلوق سمجھتا ہے اور ان میں بھی اِلاَّ ماشاء اللہ وہ ساری بُرائیاں موجود ہیں جو ہر دور میں اقتدار کے پیچھے بھاگنے والوں میں ہوتی ہیں۔ دونوں کی خرید و فروخت اور روپے پیسے کی اس سرکس میں حکومتیں ضرور بدلتی رہتی ہیں مگر چہرے وہی موجود رہتے ہیں۔ ایسے میں حالات کی سنگینی کے طور پر عوام کا ان کے دروازوں پر پھیرے لگانا چٹائیوں پر بیٹھنے والوں یا عام طبقے سے تعلق رکھنے والوں سے نفرت کا اظہار نہیں بلکہ مایوسی کے طور پر ہے۔

اس میں ذرہ بھر شک و شبہ نہیں کہ ترقی پسند اور جدید تعلیم یافتہ طبقے نے پاکستان کا جو حشر کیا ہے اور آج تک کر رہا ہے عوام کی آنکھیں اس سے بند نہیں ہیں۔ لوٹ کھسوٹ، رشوت، سفارش، اقربا پروری، اسلام کے بارے میں منافقانہ اور مداہنت آمیز طرز عمل اور امراء الطور یقوں کی جو المناک تاریخ رقم ہوئی ہے وہ اپنی جگہ مگر اس طبقے نے [illegible] کی [illegible] اعلیٰ اخلاقی اقدار کو یہاں جس طرح پامال کیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ طبقہ اس ملک سے بھی مخلص نہیں ہے۔

جب بھی یہاں اس ملک کی صحیح تاریخ لکھی گئی ان شاء اللہ اس کا حساب اسی گروہ کے کھاتے میں جمع ہوگا جو اپنے آپ کو مہذب، متمدن، شائستہ اور جدید تعلیم سے آراستہ سمجھتا ہے۔ اسلام تو سرے سے سروں کو گننے والی روایت کا قائل ہی نہیں۔ اسی لیے تو علامہ اقبال نے فرمایا تھا کہ

تُو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام؟
چہرہ روشن، اندروں چنگیز سے تاریک تر!

مگر ان لوگوں نے تو اپنی ایجاد کردہ جمہوریت کا بھی ذرہ برابر پاس نہیں کیا۔
خلافت ملوکیت میں تبدیل ہوئی تو اسلامی علوم و معارف کو بچانے، اس کے
برپا کردہ ڈھانچے کی حفاظت کرنے اور اس کے روحانی اقدار کو اگلی نسلوں
تک منتقل کرنے کی خاطر حکومتوں سے الگ ہو کر یہ صوفیہ کمربستہ ہو کر
میدان عمل میں نکل آئے۔ اصولی طور پر یہ دو طبقے نہیں ایک ہی طبقہ ہے۔ دو
الگ الگ جماعتوں کی شکل انہوں نے اس وقت اختیار کی جب استعماری
قوتوں نے انتہائی عیاری کے ساتھ ایک جماعت کو جاگیرداری اور اقتدار کا
مزہ چکھا کر اپنے ساتھ ملا لیا کہ مسجد میں آباد کرنا، نماز روزہ قائم کرنا، مسلمان
بچوں کو دینی تعلیم دینا علماء کا کام ہے، جب کہ ہمارا کام لوگوں سے
خدمت لینا۔ اقتدار کی مسند پر بیٹھ کر ملک کی ہر سہولت حاصل کرنا، قیمتی
بنگلے اور گاڑیاں رکھنا اور ہر وقت اپنی شان و شوکت کی نمود و نمائش کرنا ہے۔

مجھے اعتراف ہے کہ اکابر صوفیہ کی زندگیاں پیغمبرانہ طرز حیات کا
مکمل نمونہ تھیں۔ انہوں نے کبھی شاہوں سے رابطہ نہیں رکھا۔ بڑے بڑے
باجبروت بادشاہ ان کے دروازوں پر پہروں کھڑے رہتے تھے۔ ان کا نعرہ
یہ تھا کہ **اَلصُّوفِی لَا یَمْلِکُ وَلَا یُمْلَکُ** صوفی کا سوائے اللہ کے نہ کوئی
مالک ہوتا ہے نہ وہ کسی چیز کا مالک ہوتا ہے۔ اس کی ہر چیز اللہ کے لیے ہوتی

ہے یعنی وقف ہوتی ہے۔

اسی طرح تمام اکابر صوفیہ کا کہنا ہے کہ مال الصوفی مباح و دمہ ھدر صوفی کا مال مباح اور اس کا خون معاف ہے، تمام اکابر صوفیہ نے عملاً نجی ملکیت نہیں رکھی، چوتھی پانچویں صدی ہجری تک گدیوں کا کوئی تصور موجود نہیں تھا یہ صرف صحبت، افادے اور استفادے کا تعلق تھا جو خالصتاً تربیت سے متعلق تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تبلیغ میں تاثیر، ان کی توجہ میں برکت اور ان کی صحبت میں تعمیر سیرت کی تعلیم تھی۔

اسی طرح علما بھی تعلیم و تدریس، تصنیف و تحقیق اور اصلاح کے کام میں مصروف رہے۔ اس دور میں انہوں نے صرف مؤذن، امام اور نیم خواندہ واعظین پیدا نہیں کیے بلکہ طبیب، حساب دان، فلکیات کے ماہر، سائنس دان، شاعر، مورخ، محدث اور مفسر [illegible]

اٹھا میں مدرسہ و خانقاہ سے غمناک
نہ زندگی نہ محبت نہ معرفت نہ نگاہ

انتہائی ندامت اور افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ انگریزی تسلط کے بعد سے موجودہ دور تک تاریخ کے اس نازک موڑ پر سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ، امام احمد بن حنبل اور مجدد الف ثانی ایسی بلند مرتبہ شخصیات اور ان کی عزیمت کے وارث اکابر کے اخلاف نے ان کی مشکل اور سنگلاخ راہ چھوڑ کر (الا ماشاء اللہ) اسمبلی کی ممبری، اقتدار اور روپے پیسے کے حصول کو اپنا مقصد

حیات بنالیا ہے۔ انہوں نے بزرگوں کی علمی و روحانی خدمات کو اچھی طرح کیش کرانے کے نئے نئے طریقے ایجاد کر لیے ہیں' مدارس کا قیام صرف بہانہ رہ گیا ہے' مقصد اپنی پیری مریدی چمکانا' گدیاں قائم کرنا' سادہ لوح لوگوں کا استحصال کرنا' اندرونی بلکہ ظاہری طور پر ہر حکومت کو آب و دانہ مہیا کر کے گھٹیا مفادات حاصل کرنا انہوں نے وظیفہ حیات بنالیا ہے۔ سچ کہا حضرت اقبالؔ نے

میراث میں آئی ہے انھیں مسندِ ارشاد
زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن!

ان حضرات کی شناخت محراب و منبر اور مصلیٰ و عصا سے تھی' ان کے یہ اعزاز' جاگیریں اور مسلمانوں کی عقیدتوں اور محبتوں کا سارا سرمایہ محض دین کی وجہ سے تھا اس میں [illegible] غریب اور سادہ مسلمان ہے جو صدیوں سے [illegible] کے نام پر فریب کھا رہا ہے مگر اسلام سے اس کی وابستگی میں کمی نہیں آنی چاہیے ان حضرات کی اکثریت اب اسلام کی روح سے اپنا ناتہ توڑ چکی ہے تاہم ع

مانندِ بتاں پُجتے ہیں کعبے کے برہمن!

کیا پیری مریدی اسلام میں ضروری ہے' یہ فرض ہے' واجب ہے' سُنّتِ مؤکدہ ہے' ظاہر ہے ان میں سے کوئی بات نہیں' تمام متقدمین علماء نے لکھا ہے کہ نجات کے لیے ان میں سے کوئی چیز ضروری نہیں البتہ فلاح کے لیے

مطلق مرشد یعنی آئیڈیل سامنے رکھنا چاہیے۔ یہ "نظریہ" "سیرت طیبہ"، "بزرگان سلف میں سے کوئی بزرگ" "قرآن مجید" خود "سرور عالم ﷺ کی ذات گرامی" ہو سکتی ہے آدمی شتر بے مہار نہ ہو۔

- آنحضور ﷺ نے بقول مفکر اسلام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی صحابۂ کرام سے مختلف مواقع پر مختلف امور پر بیعت لی ہے۔ بیعت سے مراد ایک ایسا عہد و پیمان اور حلف نامہ ہے جو تزکیۂ نفس، اتباع سنت، دین اسلام سے وفاداری، جہاد اور تبلیغ وغیرہ کے سلسلے میں ایک سالک اپنے طور پر یا اپنا کسی بہتر شخص کے ہاتھ پر اٹھاتا ہے۔

مروجہ پیری مریدی جواب باقاعدہ اداروں کی شکل اختیار کر گئی ہے اس کے طور طریقے اور انہیں گدیوں کی شکل دینا پانچویں صدی ہجری کے بعد کی پیداوار ہے اس سے پہلے بیعت کا کوئی تصور تھا تو ہدایت، رہنمائی، صحبت، افادہ اور استفادہ کی شکل تھی۔ دینی اور دنیاوی امور میں خود احتسابی، ایک دوسرے کے ساتھ تعاون اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا قیام تھا اس میں شخصیت پرستی، غیر مشروط اطاعت اور مُرشد یا پیر کو مافوق الانسان سمجھنے کا شائبہ تک نہ تھا۔ خیال رہے کہ عبادات کی طرح شیخ بھی وصول الیٰ اللہ کا ذریعہ ہے، مقصود بالذات نہیں۔ اسی طرح بیعت و ارشاد بھی اتباع سُنت اور محبت خداوندی کا وسیلہ ہے نہ کہ خود مقصود۔

اگر کوئی سالک اس ابتدائی منزل پر رک کر سب کچھ اسی کو سمجھ بیٹھے گا

تو یہ اس کے لیے اُن کار کاوٹ کا باعث ہوگا۔ لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق (جہاں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوتی ہو وہاں مخلوق میں سے کسی کی تابعداری نہیں ہوگی)۔

اسی طرح امام دارالہجرۃ امام مالک کا یہ فرمان آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے اور اسے ہماری عقیدتوں اور محبتوں کا سرنامہ ہونا چاہیے۔ آپ دوران درس فرمایا کرتے تھے: کل یوحذ عنه ویرد الا صاحب هذا القبر (اس صاحب مزار (قبر مطہر کی طرف اشارہ کرتے) کے سوا ہر شخص کی بات قبول بھی کی جاسکتی ہے اور رد بھی۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے "اخبار الاخیار" میں خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ مشرب پیر حجت نمی شود دلیل از کتاب و سنت باید۔

(شیخ کا مشرب اور طریقہ حجت نہیں دلیل کتاب وسنت سے ہونی چاہیے۔)

بعض اکابر مشائخ نے مشہور بزرگوں کے یہ بات کہی ہے جب کہ روایتی قسم کے لوگوں نے سادہ لوح لوگوں کو پابند رکھنے کے لیے غلط قسم کے یہ مفروضے اور اصول بنا رکھے ہیں کہ دوسروں کے شیخ یا پیر کے پاس نہیں جانا چاہیے اپنے پیر ہی کو سب کچھ سمجھنا چاہیے۔ ان باتوں کی کوئی حقیقت نہیں ہے اگر مقصد رہنمائی، فیض اور ہدایت حاصل کرنا ہے تو یہ پابندیاں کیوں ہوں؟ عقیدت مند اپنی سادگی اور معصومیت کی وجہ سے روحانیت کے

جذبے سے سرشار ہوتے ہیں وہ نہیں سمجھ سکتے کہ ہمیں کس سحر میں مبتلا کیا جا رہا ہے۔ سچ ہے ؂

مرید سادہ تو رو رو کے ہو گیا تائب
خدا کرے کہ ملے شیخ کو بھی یہ توفیق!

مجھے علم ہے کہ ان صفوں میں کہیں کہیں مدھم روشنی والے چراغ بھی ٹمٹمارہے ہیں مگر واقعہ یہ ہے کہ

"تم باذن اللہ کر سکتے تھے جو رخصت ہوئے
خانقاہوں میں مجاور رہ گئے یا گورکن!

پھر یہ ہوا بھی دیکھئے کہ ہر خانوادے نے وضع قطع، عادات، اطوار، لباس وغیرہ کے سلسلے میں الگ الگ معمولات بنا رکھے ہیں۔ ان کی پابندی وہ اپنے حلقوں میں شدومد سے کرتے ہیں اور ان مخصوص علامات اور انفرادی طور طریقوں کو جان سے زیادہ عزیز سمجھتے ہیں۔ یوں اُمت واحدہ ملت اسلامیہ اور اہل سنت [illegible] ٹکڑیوں میں بٹ کر کُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ کا پس منظر پیش کر رہی ہے۔ حد یہ ہے کہ بعض اہل سُنّت کہلانے والوں نے چشتیت، قادریت میں افضلیت کی بحثیں چھیڑ دی ہیں، اور اس میں انتہائی غیر مہذب اور سوقیانہ زبان استعمال کی ہے۔ ان نادان دوستوں نے مسلّم الثبوت بزرگوں کے مابین افضلیت اور غیر افضلیت کی بحثیں چھیڑ کر سب کے لیے عدم اعتماد اور تشکیک کی فضا پیدا کرنے کے سوا

کوئی کارنامہ انجام نہیں دیا۔

ہے مریدوں کو تو حق بات گوارا لیکن
شیخ و ملا کو بری لگتی ہے درویش کی بات

بعض گدی نشینوں اور مولویوں نے ہر حکومت کے ساتھ غیر مشروط وفاداری کو وظیفہ حیات بنا لیا ہے۔ تخت حکومت پر فرعون و قارون براجمان ہوں یا محتاج [illegible] حکمران مطلق اقتدار [illegible] کھلے عام اسلامی شعائر اور اقدار کو مسترد [illegible] انہیں اس سے کوئی [illegible] نہیں۔ اسلام اور روحانیت کے نام [illegible] اور شان و شوکت رکھنے والے یہ حضرات "مشائخ کاملین" [illegible] انہیں آب و دانہ مہیا کرنے میں کبھی کوتاہی نہیں کرتے۔ انہوں نے صوفیہ کے متفقہ اس قول بئس الفقیر علی باب الامیر ونعم الامیر علی باب الفقیر [illegible] الامیر علی باب الفقیر کا فارمولا ایجاد کر لیا ہے یعنی درویش امیر کے دروازے پر اچھا نہیں لگتا بلکہ امیر درویش [illegible] دیا ہے کہ درویش حکمرانوں کے در پر اچھا لگتا ہے جب کہ حکمران درویش کے در پر اچھا نہیں لگتا۔ افسوس!

بہ آں قوم از تو مے خواہم کشادے　　فقیہش بے یقینے کم سوادے
بے نادیدنی را دیدہ ام من　　مرا اے کاشکے مادر نہ زادے

اگر پیری مریدی کا کوئی تصور تھا تو وہ تزکیہ نفس، عمل میں اخلاص، حُسنِ نیت

اور خدمت کا تصور تھا۔ انتہائی افسوس کا مقام ہے کہ اسے جلب منفعت،
سیاسی اقتدار اور مخلوق خدا پر فرمانروائی میں بدل دیا گیا ہے۔ بعض بڑے
بڑے گدی نشین عام مسلمانوں کے ساتھ پنج وقتہ نماز تو درکنار جمعہ و عیدین کی
نمازیں بھی ان کے ساتھ پڑھنا کسر شان سمجھتے ہیں اور بعض تو سرے سے
ایسی چیزوں کے خیر سے قائل ہی نہیں ہیں۔

آخر کوئی ہمیں بتائے کہ نماز امام پڑھائے، جنازہ مولوی
پڑھائے، نومولود بچے کے کان میں اذان مولوی دے، دیگر عبادات و
معاملات بے چارہ مولوی انجام دے مگر پیری مریدی کے لیے ایک ایسے
حضرت صاحب ہوں جن کی بارگاہ میں سال میں کئی دفعہ نہایت خشوع و
خضوع کے ساتھ حاضری دی جائے، نذر گزاری جائے اور ان کے چشم ابرو
کے اشارے پر سب کچھ قربانی کا تقاضا کیا جائے کہ جو خود اللہ کی
بارگاہ میں حاضری کو اپنی شان کے خلاف سمجھیں۔ اتنا بھی نہیں سوچا جاتا کہ
آخر مرشد کس مقصد کی خاطر بنایا جاتا ہے۔ یہ تو انسان طبعاً جذباتی واقع
ہوئے ہیں مگر اس معاملے میں تو وہ کچھ حقائق سننا ہی گوارا نہیں کرتا۔ سچ ہے

تحقیق کی بازی ہو تو شرکت نہیں کرتا
ہو کھیل مریدی کا تو ہرتا ہے بہت جلد!

میں یہاں اپنی یہ خلش بھی نہیں چھپانا چاہتا کہ جس طرح پچھلی دو تین
دہائیوں سے علمائے کرام کی اکثریت نے سیاست ہی کو دین کا اصلی کام سمجھ

لیا ہے اور وہ اس میں کود پڑے ہیں اس نے ان کے وقار، ان کے مدارس کے علمی معیار اور خود دین کو شدید نقصان پہنچایا ہے یہ بات ہمیں سمجھانے کی ضرورت نہیں کہ ؎

جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی!

کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ عالم اسلام میں سب سے زیادہ تصنیفی اور تدریسی کام ایسے بلند پایہ لوگوں کا مرہون منت ہے جنہوں نے سیاسی اکھاڑوں سے الگ بیٹھ کر خاموشی سے قرطاس و قلم کے واسطے سے تعلیم و تدریس کا فریضہ سرانجام دیا۔ امام ابوحنیفہ سے اگر یہ سلسلہ شروع ہوا تو بخارا و سمرقند میں اپنی یہ تاریخ دہراتا ہوا برصغیر میں علمائے فرنگی محل، علمائے خیرآباد، بدایوں اور دہلی تک آیا۔ پاکستان میں نامور عالم دین مولانا سید ابوالبرکات محدث پاکستان، مولانا سردار احمد، مفتی احمد یار خاں، مفتی عبدالقیوم ہزاروی، غزالی زماں سید احمد سعید کاظمی، علمائے دیوبند میں مولانا ادریس کاندھلوی، مفتی محمد حسن [illegible] خاموشی کے ساتھ دینی کاموں میں مصروف رہے۔ اس طرح انہوں نے اپنا اعتبار و اعتماد بڑھایا، دین کا وقار بلند کیا اور اپنے اسلاف کی روایت کو زندہ و قائم رکھا۔

مجھے اس بات کا علم ہے کہ اب بعض مدارس نے اپنے نصاب میں کچھ جدید مضامین شامل کیے ہیں مگر اس بات کا اعتراف نہ کرنا بھی زیادتی ہو گی کہ دینی مدارس کا بیشتر نصاب تعلیم دین و دنیا میں گہری بصیرت، ژرف

نگاہی، حکیمانہ اندازِ فکر اور موجودہ دور کے تقاضوں سے بہت حد تک خالی ہے۔ مَیں نے درسِ نظامی کی باقاعدہ تکمیل کی ہے۔ مَیں آپ بیتی کے طور پر کہہ سکتا ہوں کہ درسِ نظامی میں منطق و معقولات پر جتنا زور دیا گیا ہے اس دور کی منطق اور دوسرے کو قائل کرنے کے اسلوب میں اس کا رتی بھر فائدہ نہیں ہے۔ اس قدیم ترین اندازِ تکلم میں جس قدر دماغ سوزی ہوتی ہے عملی دنیا میں طالب علم کو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ دینی مدارس کی عربی گرامر بالخصوص ''قافیہ'' ''شرح جامی'' اُس دور کے مطابق انتہائی پُر پیچ، مغلق اور مشکل زبان پر مشتمل ہے۔ ایک طالب علم جو عربی زبان کے قواعد سیکھنا چاہتا ہے اسے دوگنا عذاب جھیلنا پڑتا ہے۔ ایک وہ غیر زبان کے قواعد سیکھے دوسرے جس زبان میں وہ قواعد بیان ہوئے اس کی مبہم اور مغلق زبان کو حل کرے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ دس بارہ سال صرف کرنے والا طالب علم عربی لکھنے پر قادر ہوتا ہے نہ بولنے پر اور نہ اسے اچھی طرح سمجھنے پر۔

اسی طرح درسِ نظامی کے نصاب میں جس موضوع کو سب سے کم اہمیت دی گئی ہے وہ قرآن مجید ہے۔ قرآن مجید کی صرف ایک انتہائی مختصر تفسیر جلالین شامل کی گئی ہے جو پوری طرح قرآن مجید کا ترجمہ بھی نہیں ہے۔ اس کے مقابلے میں فقہ کی پانچ کتابیں شامل ہیں۔ ''منیۃ المصلی'' قدوری''، ''کنز الدقائق''، ''شرح وقایہ'' اور ''ہدایہ'' ان میں نئے نئے مسائل نہیں ہیں صرف تفصیلات اور دلائل کا فرق ہے۔ دورہ حدیث بھی بطور تبرک

پڑھایا جاتا ہے۔ یہ نصاب مکمل کر کے دستار فضیلت کرنے والا طالب علم زندگی کے دس قیمتی سال صرف کرنے کے بعد بھی ممکن ہے معقولات اور فقہ کا عالم تو بن جاتا ہو مگر قرآن مجید اور حدیث کے علوم پر گہری بصیرت سے وہ تقریباً محروم ہوتا ہے۔ تاریخِ اسلام' معاشیات' انگریزی' اردو ادب' جدید عربی ادب اور پیشہ وارانہ علوم' ڈاکٹری' انجینئرنگ وغیرہ کی تو اسے ہوا بھی نہیں لگتی۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ہم ہر سال ہزاروں کی تعداد میں ایسے نیم خواندہ لوگوں کی فوج پیدا کر رہے ہیں جن کا مصرف نئی مسجدیں اور مدارس قائم کرنے کے سوا کچھ نہیں اور اسی کو ہم نے تبلیغ اور دین کی نشر و اشاعت کا ذریعہ سمجھ رکھا ہے۔ دنیا کے معاملات اور اس میں تیزی سے رونما ہونے والی تبدیلیوں سے بے خبر' سیاسی اکھاڑ پچھاڑ اور نفسیات سے ناواقف ہمارے یہ نوجوان علماء آج کی تعلیم یافتہ اور شکوک و شبہات میں مبتلا نسل کو ان کے اندازِ فکر کے مطابق دین کا پیغام پہنچانے سے بھی قاصر ہوتے ہیں اور یوں وہ معاشرے پر غیر پیداواری بوجھ میں اضافے کا سبب بن رہے ہیں۔

اس قیامت خیز دنیا کے مسائل ہی اور ہیں کم علمی' بے خبری اور معذرت خواہانہ طرزِ عمل اختیار کرنے والوں کو یہ دنیا صدیوں پیچھے دھکیل دے گی

غافل منشین نہ وقت بازی است<br>
وقت ہنر است و کارسازی است

حد یہ ہے کہ بے تحاشا نئے مدارس قائم کر کے ان پر کروڑوں روپیہ خرچ کرنے والے ان اداروں کے ارباب بست و کشاد پاکستان میں تصنیف و تالیف کا عالمی انداز کا ایک ادارہ بھی قائم نہیں کر سکے جہاں آج کی زبان اور منطق میں جدید علم کلام یا فقہ کی تدوین نو کا کام کیا جائے جو وقت کی شدید ضرورت اور اہم تقاضا ہے۔ اگر دارالمصنفین اعظم گڑھ یا ندوہ کے تحقیقی و علمی کام میں تسلسل رکھا جاتا تو پھر بھی آج حالات قدرے مختلف ہوتے۔ مگر یہاں تو اردو زبان تک کو کوئی اہمیت نہیں دی گئی۔ جس سے ہمیں اضافی کیفیت میں تنزل کا باعث بنتا ہے۔ ہمارے مدارس سے فارغ التحصیل —— جو حضرات دستار فضیلت اور سند فراغت حاصل کرتے ہیں۔ میں نے بے شمار ان میں سے ایسے صاحبان علم بھی دیکھے ہیں جو اپنی سند کی عبارت تک نہیں پڑھ سکتے گزشتہ پچاس برس میں عالمی سطح کے ایسے عالم، مصنف اور دانشور ہم نے پیدا کیے [illegible] کے لیے ایک مختصر نصاب ترتیب دیا جائے اور اس کی تعداد مقرر کی جائے جو ضروریات کے مطابق ہو باقی اعلیٰ تعلیم کے لیے معیاری درس گاہیں بنائی جائیں جن میں ہر کہ و مہ کی بجائے انتہائی ذہین طلبہ کو داخلہ دیا جائے اور ان پر محنت کی جائے کہ وہ دیدہ ور عالم، مفکر، دانشور، مختلف زبانوں کے ماہر اور فکر و عمل کے ذریعے اسلام کے بہترین مبلغ ثابت ہوں۔ اسی طرح تمام دینی ادارے اپنے ہاں رفاہی شعبے قائم کریں جہاں نادار، فاقہ کش اور لاوارث لوگوں کی مقدور

بھر مدد کی جائے۔

اگر ہمارے دینی حلقوں نے بے رحم وقت کی کاٹ کا صحیح اندازہ نہ کیا تو وہ دن بدن سمٹتے جائیں گے۔ اسلام کے بارے میں ہمیں کوئی شبہ نہیں اس لیے کہ وہ خود اپنا محافظ ہے اور اس کے اندر ایسی صدری قوت موجود ہے جو کسی خاص طبقے کی احتیاج کے بغیر ہمیشہ زندہ رہے گی۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ تحریک پاکستان کی طرح اسلام کی تبلیغ اور تحفظ کے لیے کسی اور طبقے کو آگے بڑھا دیا جائے۔

اندکے پیش تو گفتم غم دل ترسیدم

کہ تو آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

# قرآن مجید اور انسان کی بنیادی ضروریات

ذیل میں ہم کسی تبصرے کے بغیر قرآن مجید کی چند واضح ہدایات پیش کر رہے ہیں۔ ان سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وسائل رزق، کفالت عامہ، غریبوں اور محتاجوں کو اپنے مال میں شریک کرنے، کسی کو محروم المعیشت پیدا نہ کرنے، وسائل رزق سب کے لیے یکساں ہونے اور تمام چیزوں کا مالک حقیقی ذات خداوندی ہونے، ایسے سارے معاملات کس طرح انتہائی صراحت و وضاحت سے بیان کیے گئے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ۔

جانتا ہوں میں یہ امت حامل قرآں نہیں
ہے وہی سرمایہ داری بندۂ مومن کا دیں

○ وَاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ

اور دو انہیں اللہ کے مال سے جو اس نے تمہیں عطا کیا ہے۔ [النور: ۳۳]

○ وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّاۗىِٕلِ وَالْمَحْرُوْمِ

اور ان کے اموال میں سائل اور محروم کا حق ہے۔ [الذاریات: ۱۹]

○ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ○

اور ہم نے اس (زمین) میں تمہارے لیے اسبابِ زندگی بنائے اور ان کے لیے بھی جنہیں تم رزق دینے والے نہیں ہو۔ [الحجر، ۲۰]

○ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔

اور اللہ ہی وارث ہے آسمانوں اور زمینوں کا۔ [آل عمران، ۱۸۰]

○ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۔

تم ہرگز نہ پاسکو گے کمالِ نیکی کو جب تک کہ خرچ نہ کرو اس چیز سے کہ تم پسند کرتے ہو۔ [آل عمران، ۹۲]

○ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ۔

مٹاتا ہے اللہ تعالیٰ سود کو اور بڑھاتا ہے خیرات کو۔ [البقرۃ، ۲۷۶]

○ وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ۔

اس نے زمین کو بچھایا مخلوق کے لیے۔ [الرحمٰن، ۱۰]



○ وَقَدَّرَ فِيْهَا اَقْوَاتَهَا فِيْ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ

اور ایک اندازے سے مقرر کر دیں اس (زمین) میں اس کے رہنے والوں کی غذائیں چار دن (یعنی چار ادوار میں) میں تمام طلب گاروں (اور حاجت مندوں) کے لیے (ان کا حصول) یکساں ہے۔ [حم السجدۃ، ۱۰]

○ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ۔

تاکہ وہ (مال) گردش نہ کرتے رہیں تمہارے مالداروں کے درمیان۔

[الحشر، ۷]

○ وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ط

اور وہ دوسروں کو اپنی جانوں پر مقدم رکھتے ہیں اگرچہ خود انہیں شدید حاجت ہو۔

[الحشر:۹]

○ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ؕ

تمہیں اور تمہارے چوپایوں کو فائدہ پہنچانے کے لیے (زمین، پانی، پہاڑ وغیرہ)۔ [النازعات:۳۳]

○ وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ

اور وہ پوچھتے ہیں آپ سے کیا خرچ کریں فرمایئے جو ضرورت سے زیادہ ہو۔

[البقرہ:۲۱۹]

○ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ق

وہی تو ہے جس نے پیدا کیا تمہارے لیے جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب۔

[البقرہ:۲۹]



○ وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۭ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ؕ وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ ○

اور ہم نے کتنی ہی بستیاں ہلاک کر دیں جو اپنی خوشحالی پر اترانے لگیں تو یہ ہیں ان کے گھر جن میں ان کے بعد رہائش نہیں کی گئی مگر تھوڑی مدت اور ہم ہی وارث ہیں۔ [القصص:۵۸]

○ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِى الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا

اور زمین پر کوئی چلنے والا (جاندار) ایسا نہیں لیکن اللہ کے ذمہ کرم پر اس کا رزق ہے۔ [ھود: ۶]

○ قَالُوْا یٰشُعَیْبُ اَصَلٰوتُکَ تَاْمُرُکَ اَنْ نَّتْرُکَ مَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِیْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا

وہ بولے اے شعیب کیا تمہاری نماز تمہیں حکم دیتی ہے کہ ہم چھوڑ دیں ان کو جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے تھے یا یہ کہ ہم جو چاہیں اپنے مال میں نہ کریں۔ [ھود: ۸۷]

○ خُذْ مِنْ اَمْوَالِھِمْ صَدَقَۃً

ان کے مال سے صدقہ لیجئے۔ [التوبہ: ۱۰۳]

○ وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ وَلَا یُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ○ یَّوْمَ یُحْمٰی عَلَیْھَا فِیْ نَارِ جَھَنَّمَ فَتُکْوٰی بِھَا جِبَاھُھُمْ وَجُنُوْبُھُمْ وَظُھُوْرُھُمْ ھٰذَا مَا کَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِکُمْ فَذُوْقُوْا مَا کُنْتُمْ تَکْنِزُوْنَ ○

اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان سب کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے جس دن وہ دہکایا جائے گا جہنم کی آگ میں پھر اس سے داغی جائیں گی ان کی پیشانیاں اور ان کے پہلو اور ان کی پیٹھیں، یہ ہے جو تم نے اپنے لیے جمع کر کے رکھا تھا تو چکھو مزہ اپنے جمع کرنے کا۔ [التوبہ: ۳۴-۳۵]

○ اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُرُ ○ حَتّٰی زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ○ کَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ○ ثُمَّ کَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ○

تمہیں غافل کر دیا کثیر مال جمع کرنے کی حرص نے یہاں تک کہ تم مر کر قبروں میں پہنچ گئے یقیناً تم عنقریب جان لو گے پھر یقیناً تم عنقریب جان لو گے۔

[التکاثر]

○ وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۝ الَّذِي جَمَعَ مَالًا وَعَدَّدَهُ ۝ يَحْسَبُ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ ۝ كَلَّا لَيُنبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْحُطَمَةُ ۝

تباہی ہے ہر طعنہ زنی کرنے والے، لوگوں کی عیب جوئی کرنے والے کے لیے جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھا وہ گمان کرتا ہے کہ اس کا مال دنیا میں ہمیشہ اسے زندہ رکھے گا۔ ہرگز نہیں وہ ضرور چورا چورا کر دینے والی میں پھینک دیا جائے گا اور آپ کیا سمجھے کہ چورا چورا کرنے والی کیا ہے۔ [الھمزۃ]

○ فَذَٰلِكَ الَّذِي يَدُعُّ الْيَتِيمَ ۝ وَلَا يَحُضُّ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ ۝ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ ۝ الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ ۝ وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ ۝



تو یہی ہے وہ شخص جو دھکے دیتا ہے یتیم کو اور مسکین کو کھانا دینے پر کسی کو آمادہ نہیں کرتا تو خرابی ہے ان نمازیوں کے لیے جو اپنی نماز سے غافل ہیں جو ریاکاری کرتے ہیں اور برتنے کی حقیر سی چیز بھی کوئی مانگے تو نہیں دیتے۔ [الماعون]

○ كَلَّا بَل لَّا تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَ ۝ وَلَا تَحَاضُّونَ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ ۝ وَتَأْكُلُونَ التُّرَاثَ أَكْلًا لَّمًّا ۝ وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ۝ كَلَّا إِذَا دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكًّا دَكًّا ۝

کے بارے میں دریافت کرتے ہوں گے پھر جنتی مجرموں سے کہیں گے تمہیں کون سی چیز دوزخ میں لے گئی وہ کہیں گے ہم نماز پڑھنے والوں میں نہ تھے اور مسکین کو کھانا نہ کھلاتے تھے اور بے ہودہ مشغلے والوں کے ساتھ ہم بھی بے ہودہ مشغلوں میں پڑے رہتے تھے۔ [المدثر: ۳۹تا۴۵]

## پس چہ باید کرد



ان آبلوں سے پاؤں کے گھبرا گیا تھا میں

جی خوش ہوا ہے راہ کو پر خار دیکھ کر

(غالب)

علامہ اقبال نے ایک جگہ لکھا ہے کہ "ملت مسلمہ کی مجموعی بے حسی، انحطاط، پستی اور بار بار جہالت اور سیاسی زوال میں اکثر اوقات کڑھتا، غور وفکر کرتا اور سوچتا رہتا تھا کہ شاندار ماضی رکھنے والی اس قوم کی یہ حالت کیوں ہے؟ اور اس کی وجوہات کیا ہیں ایک رات میں کرب کی حالت میں اس پر سوچتے سوچتے سو گیا تو خواب میں مجھے مولانا رومؒ کی زیارت ہوئی اور انہوں نے یہ شعر پڑھ کر ایک طرح سے میرے اضطراب کا جواب دیا۔

ہر بنائے کہنہ کآباداں کنند

اول آں بنیاد را ویراں کنند؟"

(مولانا رومؒ)

جب بھی کوئی نئی عمارت بنتی ہے پرانی عمارت کو شکست وریخت کا سامنا کرنا پڑتا ہے تاکہ نئی عمارت کی بنیاد از سرِ نو رکھی جائے۔

علامہ فرماتے ہیں کہ مجھے اپنے سوال کا جواب مل گیا کہ مسلمان قوم کا یہ عارضی اور عبوری دور ہے۔ اس شکست وریخت سے وہ ایک توانا، مستعد، مستحکم اور مضبوط قوم کی حیثیت سے دوبارہ ابھرے گی اور اس طویل رات کی سحر ہوگی۔

مسافرو! کوئی شب جاوداں نہیں ہوتی
یہ ظلمتوں کی پہیلی کہاں نہیں ہوتی

تاریخ کے مطالعے اور تجربے سے جو بات سامنے آتی ہے وہ یہی ہے کہ قدرت کسی قوم کو صرف اس بنا پر سربلندی عطا نہیں کرتی کہ وہ کسی سچے مذہب کو مانتی ہے یا اس پر یقین رکھتی ہے بلکہ قدرت نے اس کارگاہِ حیات میں آگے بڑھنے اور بازی جیتنے کے لیے کچھ اصول مقرر رکھے ہیں جو سراسر ظاہری اور مادی بنیادوں پر قائم ہوتے ہیں یعنی جو قوم من حیث القوم محنت، انصاف، عدل، علم اور دولت و معیشت کی منصفانہ تقسیم کے اوصاف سے بہرہ ور ہوگی اسے قوموں کی صف میں امتیاز اور سربلندی حاصل ہوگی۔ اس کے مقابلے میں جو قوم بالخصوص اس کا حکمران طبقہ کام چوری، زر اندوزی، عیاشی، رشوت، اقربا پروری، ظلم اور ناانصافی کا شکار ہوگی وہ پستیوں میں دھکیل دی جائے گی ان اصولوں میں کافر و مسلم کے درمیان کوئی امتیاز نہیں رکھا گیا بلکہ،

یہ بزمِ مئے ہے یاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی

جو بڑھ کر خود اُٹھا لے ہاتھ میں مینا اسی کا ہے

مگر میرا اپنا اندازہ یہ ہے مسلمانوں کے ساتھ شکست و ریخت کا یہ عمل زیادہ طویل ہو گیا ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ ان کا خواب غفلت بھی لمبا ہو گیا ہے۔ بقول فراق حالت یہ ہو گئی ہے

اس دور میں زندگی بشر کی

بیمار کی رات ہو گئی ہے

(فراق)

یوں تو اکثر مسلمان ممالک ایک جیسی حالت اور مسائل کا شکار ہیں۔ معاشی پسماندگی آمریت لاقانونیت جہالت اور معاشرتی ناانصافی ان کے عوام کا مقدر بنا دی گئی ہے [illegible] اعتراف نہ کرنا بھی بہت بڑی زیادتی ہو گی کہ ان ممالک کے حکمران زیادہ تر اپنے اُن آقاؤں کے نمائندے ہیں جنہیں آزادی [illegible] جانشین بنایا تھا۔ مُسلم ممالک کے عوام اور ان کے حکمرانوں کے سوچ میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ مسلمان ممالک کے حکمران اپنے آقاؤں کے دماغ سے سوچتے' اُن کی زبان بولتے' ان کی آنکھوں سے دیکھتے' ان کے کانوں سے سنتے اور ان کے اشاروں پر چلتے ہیں جب کہ ان ممالک کے عوام کی اکثریت چودہ سو سال پہلے رُونما ہونے والے اسلامی فلاحی انقلاب کی جھلک دیکھنا چاہتی ہے

بلکہ عالمی سطح پر سوشلزم اور سرمایہ دارانہ نظام کی وحشت ناک بربریت اور اس دور میں سب سے زیادہ متمدّن کہلانے والی عالمی طاقتوں کے شرمناک کردار کو دیکھ کر دن بدن اُس کی پیاس اور تڑپ میں اور اضافہ ہو رہا ہے۔ اس صورتِ حال سے نکلنے کے لیے کیا کرنا چاہیے؟ تو اس کا جواب ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ ؂

بقا کی فکر کرو خود ہی زندگی کے لیے
زمانہ کچھ نہیں کرتا کبھی کسی کے لیے
(کیفی اعظمی)

کوئی شک نہیں کہ اسلامی دنیا نے پچھلی دو تین دہائیوں سے جھرجھری لی ہے اس کے عوام مدافعانہ اور معذرت خواہانہ طرزِ عمل کے برعکس عمل کر اپنی خواہش کا اظہار کر رہے ہیں۔ ان کے حکمرانوں اور ان کے درمیان یوں ایک فائنل راؤنڈ شروع ہو چکا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ کچھ وقت لے لے مگر عوام کی خواہش کو دیر تلک مطلق العنانوں کے شکنجے میں جکڑ کر نہیں رکھا جا سکتا۔ مُسلم اُمت کی اس جُھرجُھری میں ان کی مذہبی یا سیاسی قیادت کا کوئی دخل ہے نہ حصّہ اور نہ کارگزاری یہ تخریب کے بعد تعمیر کا فطری عمل ہے۔

قائدِ اعظم کے اِنتقال کے بعد پاکستان کی حد تک کم از کم کوئی ایسا قائد سامنے نہیں آیا جس نے اس خطّے کے غریب اور مفلوک الحال لوگوں کے اصل مسائل کو حل کرنے کی سنجیدہ کوشش کی ہو اسلام کے نام پر حاصل

ہونے والے اس ملک میں سب سے زیادہ استحصال اسلام کا ہوا۔ اسلام اسلام کی گردان بہت سننے میں آئی مگر ملک بتدریج اسلام کے اہداف سے دور ہوتا گیا۔

اب ایک طرف جاگیرداروں، زمینداروں اور سرمایہ داروں کا طبقہ ہے جو حکومت، معیشت، تجارت اور تمام وسائلِ رزق پر قابض ہے۔ اسے غریب آدمی کے دکھ درد اور مسائل کا سرے سے ادراک ہی نہیں ہے۔ دوسری طرف ویران آنکھوں، اترے ہوئے چہروں، طلب گار نظروں اور مردہ جسموں کی صورت میں نانِ شبینہ کے لیے محتاج وہ اکثریت ہے جسے ہر صبح ہم قطار اندر قطار جسمانی مشقت کے لیے بازاروں اور چوکوں میں سراپا انتظار دیکھتے ہیں تاکہ ان کے بچوں کے لیے رات کے آذوقے کا کوئی بندوبست ہو۔ اس ملک کے پالتو جانور بھی ان لوگوں سے بہتر زندگی گزارتے ہیں۔ شہروں میں صنعت کاروں، سرمایہ داروں، آڑھتیوں، تاجروں، پیل داروں، پولیس اور اہل کاروں کے ظلم و زیادتی کا شکار ہے تو دیہی علاقوں میں جاگیرداروں، زمینداروں اور پیروں کی گرفت میں جکڑا ہوا ہے۔ علماء اور مذہبی قائدین (اِلاّ ماشاءاللہ) کے مدارس و مکاتب ان کے خوب صورت بنگلہ نما دفاتر، ٹیلیفون، آرام دہ گاڑیاں، خوب صورت قالین، پُرتعیش کھانے اور نذرانے چلتے رہیں۔ ہر محلے میں چار چار مدرسے اور گلی گلی میں نئی مساجد بنتی رہیں، لوگ بے شک بھلے بھوک سے خودکشی کرتے

رہیں، کئی گھروں میں چولہے نہ جلیں، چھوٹے چھوٹے بچے بیوہ عورتیں، کمسن بچیاں گھروں اور ہوٹلوں میں برتن مانجھتے رہیں، انہیں اس سے کوئی غرض نہیں۔

کیا یہ ملک اس لیے بنا تھا۔ اتنی بڑی قربانی ہم نے اسی دن کے لیے دی تھی؟ اگر سرمایہ دار جاگیردار اور صنعت کار طبقہ جسے قرآن مجید نے "مترفین" "مسرفین" اور "ظالمین" کے نام سے یاد کیا ہے فساد کی اصل جڑ اور اس صورت حال کا ذمہ دار ہے تو ہمارا مذہبی طبقہ (اس میں علمائے کرام مفتیان عظام ذاکرین کرام اور ان کی ترقی یافتہ شکل مخدوم، جیلانی اور خواجگان (الا ماشاء اللہ) بھی کچھ کم ذمہ دار نہیں، یہ حالات تیزی سے بگڑ رہے ہیں اس کے نتیجے میں دہشت گردی، ڈکیتی، چوری، قتل، اغوا اور لاقانونیت کا سیلاب امنڈ آیا ہے مگر ہمارے ذکر کردہ طبقے ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ اگر بھوک، غربت، انسانی فاقہ کشی اور ظلم انتہا کو پہنچ جائے تو محروم طبقے سے [illegible] شرافت کی توقع حماقت نہیں تو نخوت ضرور ہے۔

گداں کی پیٹھ پہ جب تازیانے پڑتے ہیں
اگر یہ بھی گراں گزرے تو کوئی زخمہ زن کیوں ہو

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اب کیا ہونا چاہیے؟ ہمارے نزدیک ملک عزیز کے تینوں طبقے اگر پوری سنجیدگی اور دیانت داری سے اس طوفان کو فوری طور پر روکنا چاہیں تو یہ رک سکتا ہے۔ بات گھنٹوں سے منٹوں اور لمحوں تک آ گئی ہے اگر اس میں کوتاہی کی گئی تو نوشتہ دیوار انتہائی بھیانک اور خوفناک نظر آ رہا ہے۔

دو وقت بھی دیکھا ہے تاریخ کی گھڑیوں نے
لمحوں نے خطا کی تھی صدیوں نے سزا پائی

سب سے پہلے تمام مسالک و مکاتب کے جید علماء مفکر اور دانشور ایک ایسا فورم بنائیں جو شرعی اعتبار سے پاکستان کے معاشی نظام کا ڈھانچہ از سر نو مرتب کرے۔ اس میں زمین صرف خود کاشتی کی حد تک رہنے دی جائے انگریزوں کی چاکری کے عوض عطا کردہ جاگیریں ضبط کر لی جائیں۔ جاگیرداروں، سرمایہ داروں اور صنعت کاروں یعنی مترفین اور ظالمین سے بے کراں دولت کے وسائل معلوم کرنے اور اسے ضبط کرنے کی سفارش کی جائے۔ غیر حاضر زمینداری، مزارعت، آڑھت، سود اور کرائے پر مکانات وغیرہ کے بارے میں صرف قرآن و حدیث اور سیرت طیبہ کو بنیاد بنایا جائے۔ مساکین اور نادار طبقے کو صاحب دولت لوگوں کی دولت میں شامل کی بات کی جائے۔ معاشی، معاشرتی اور مذہبی استحصال کی ساری صورتیں ممنوع قرار دی جائیں۔ قومی اور صوبائی اسمبلیوں بالخصوص سینیٹ کو خاندانوں کی گرفت سے نکالنے کے لیے قانون بنانے کی سفارش کی جائے۔ زکوٰۃ و عشر کو سیاسی بندر بانٹ کی بجائے غیر سیاسی متقی افراد کے حوالے کیا جائے۔ ہر چار سال بعد مسلسل اور متواتر الیکشن کی سفارش کی جائے تاکہ اس عمل سے بہتر لوگ ابھر آئیں۔

دوسرے طبقے میں بڑی بڑی سیاسی پارٹیاں ہیں اگرچہ سیاسی پارٹیوں کے وعدے روایتی محبوب کے وعدے ہوتے ہیں۔ تاہم اگر وہ

صدق دل سے بیان کردہ موٹی باتوں کو اپنے اپنے منشور کا حصہ بنا کر ان پر عمل کریں تو اس مسائل زدہ قوم کو سکھ کا سانس مل سکتا ہے۔

تیسری مؤثر قوت عوام ہیں اگر عوام آزمائے ہوئے لوگوں کو چھوڑ کر کسی دباؤ اور لالچ کے بغیر ہر دفعہ نئے اور اہل لوگ منتخب کریں تو بہتری کی توقع کی جاسکتی ہے ورنہ اس سوال کا جواب ہم سب کو معلوم ہے۔

# سید فاروق القادری کی

# دیگر تصانیف و تالیفات اور تراجم

- ☆ اردو ترجمہ و تحقیقی مقدمہ فتوحات مکیہ ابن عربی
- ☆ احوال و آثار سید عبدالقادر جیلانی
- ☆ اردو ترجمہ و تحقیقی مقدمہ انفاس العارفین، شاہ ولی اللہ، مطبوعہ لاہور و انڈیا
- ☆ اردو ترجمہ و تحقیقی مقدمہ الطاف القدس، شاہ ولی اللہ
- ☆ اردو ترجمہ مع تحقیقات مقدمہ رسائل شاہ ولی اللہ، الانتباہ، القول الجمیل، در الثمین
- ☆ اردو ترجمہ و تحقیقی پیش لفظ فتوح الغیب، حضرت سید عبدالقادر جیلانی
- ☆ تذکرہ سید محمد حسن شاہ جیلانی، سوئی شریف
- ☆ تجلیات الرحمٰن، تذکرہ مجاہد اسلام پیر عبدالرحمٰن بھرچونڈی شریف
- ☆ جام عرفان، تذکرہ و ملفوظات حافظ الملت حافظ محمد صدیق بھرچونڈی شریف
- ☆ اردو ترجمہ و مقدمہ، تحفہ [illegible]
- ☆ اردو ترجمہ و مقدمہ خلاصۃ المفاخر، امام یافعی
- ☆ اردو ترجمہ و مقدمہ کشف [illegible]
- ☆ اردو ترجمہ و مقدمہ تاریخ [illegible]
- ☆ فاضل بریلوی اور امور بدعت، مطبوعہ لاہور و ممبئی، انڈیا
- ☆ اسلام کا تصور ملکیت

سید علی رضا شاہ، ناظم اعلیٰ مرکزی دفتر دار العلم والمعرفۃ، خانقاہ عالیہ قادریہ،
شاہ آباد شریف، گڑھی اختیار خان، ضلع رحیم یار خان
(فون: ۹۲۷۵۲۴۷۔۰۳۰۰، ۵۲۸۳۳۳۵۔۰۶۸)

## ادارہ پاکستان شناسی کی مطبوعات

| کتاب | مصنف |
|---|---|
| ☆ مولانا عبدالحامد بدایونی کی علمی و سیاسی خدمات | سید نور محمد قادری |
| ☆ تحریک پاکستان میں مولانا عبدالحامد بدایونی کا کردار | ظہور الدین خان امرتسری |
| ☆ حیات شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی | فیض الہ آبادی، شفیق صدیقی |
| ☆ شاعر محبت | پروفیسر محمد مسعود احمد |
| ☆ ہندو حکمرانی کا ہولناک تجربہ | مولانا عبدالحامد بدایونی |
| ☆ سوشلزم اور اسلام | مولانا عبدالحامد بدایونی |
| ☆ اسلام کا معاشی نظام اور سوشلزم کی مالی تقسیم | مولانا عبدالحامد بدایونی |
| ☆ معرکہ کربلا | ملک شیر محمد خان اعوان |
| ☆ عقائد اسلام | زاہد القادری بدایونی |
| ☆ علامہ شاہ احمد نورانی کی پچاس سالہ ملی خدمات کا جائزہ | [illegible] اختر |
| ☆ حضرت علامہ شاہ احمد نورانی | سید محمد فاروق القادری |
| ☆ پروفیسر مولوی حاکم علی | چوہدری محمد صدیق |
| ☆ خطبات آل انڈیا سنی کانفرنس (۱۹۲۵ء - ۱۹۴۷ء) | محمد جلال الدین قادری |
| ☆ ابوالکلام آزاد کی تاریخی شکست | محمد جلال الدین قادری |
| ☆ [illegible] جمعیت علماء ہند و مجلس احرار اسلام | محمد جلال الدین قادری |
| ☆ اکابر تحریک پاکستان (دو جلدیں) | محمد صادق قصوری |
| ☆ الارشاد | سید سلیمان اشرف |
| ☆ الحج | سید سلیمان اشرف |
| ☆ النور (زیر طبع) | سید سلیمان اشرف |
| ☆ چودھویں صدی کے مجدد | ظفر الدین بہاری |
| ☆ کانگریسی [illegible] | مفتی سید مصباح الحسن مودودی |
| ☆ ہندوؤں سے ترک موالات | مفتی تاج الدین تاج |
| ☆ اعلیٰ حضرت بریلوی کی سیاسی بصیرت | سید نور محمد قادری |
| ☆ اتحاد بین المسلمین وقت کی اہم ضرورت | مولانا عبدالستار نیازی |
| ☆ فلسفہ شہادت حسینؓ | مولانا عبدالستار نیازی |
| ☆ پنجاب اسمبلی میں پانچ تاریخی تقریریں | مولانا عبدالستار نیازی |
| ☆ نعرۂ حق | مولانا عبدالستار نیازی |
| ☆ تحریک پاکستان کی ایک اہم دستاویز (۱۹۴۰ء) | مفتی برہان الحق جبلپوری |



**ادارہ پاکستان شناسی**

۳/۴۳ سوڈیوال کالونی ملتان روڈ لاہور۔ ۵۴۵۰۰ فون ۷۴۱۴۸۶۳

## اسلام کے معاشی نظام پر ادارۂ پاکستان شناسی کی دو معرکۃ الآرا مطبوعات

### ○ بالشویزم اور اسلام از مولانا محمد عبدالحامد بدایونی

بالشوزم کی لادینیت اور اس کے مذہب مخالف رویئے کی نشان دہی کرنے، نیز اسلام کے ساتھ اس کا تقابل کرتے ہوئے اسلام کی اقتصادی تعلیمات کو اجاگر کرنے کی خدمت متعدد اہل علم نے انجام دی ہے، مگر زیر نظر کتابچے کی اہمیت دو اسباب سے ہے۔ اولاً اس سبب سے کہ یہ کتابچہ آل انڈیا مسلم لیگ کی مرکزی کونسل کے ایک رکن کا لکھا ہوا ہے جس نے قرارداد پاکستان کی تائید میں تقریر کی تھی۔ کتابچے کی اہمیت کا دوسرا سبب مولانا بدایونی کے فکری ارتقاء میں سوشلزم کے بارے میں ان کا رویہ ہے۔

"بالشویزم اور اسلام" کی زیر نظر جدید اشاعت میں سید محمد فاروق القادری صاحب کا دیباچہ شامل کیا گیا ہے۔ جناب ظہورالدین امرتسری نے چند صفحات بحیثیت ناشر لکھے ہیں، نیز کتابچے پر مختصر اور مفید حواشی کا اضافہ کیا ہے۔

(ششماہی نقطہ نظر، اسلام آباد۔ اکتوبر ۲۰۰۴ء - مارچ ۲۰۰۵ء)

### ○ اسلام کا معاشی نظام اور سوشلزم کی مالی تقسیم از مولانا عبدالحامد بدایونی

اسلام دین فطرت ہے جس میں مستحق اور غریب لوگوں کی خبر گیری، انہیں اپنے رزق میں شریک کرنے اور ان کی ضروریات کا خیال رکھنے کی تاکید کی گئی ہے۔ قرآن حکیم نے اس عمل کو "انفاق فی سبیل اللہ" سے یاد کیا ہے۔ دور حاضر میں مختلف معاشی نظام سامنے آئے اور کئی ملکوں میں رائج ہوئے مگر کسی نظام نے مستحقین کی مدد اس طرح فرض نہیں کی جس کی تائید و تاکید اسلام نے کی ہے۔ سوشلزم اس دور کا ایک سب سے زیادہ زیر بحث رہنے والا نظام ہے جو روس میں نافذ بھی کیا گیا مگر اس کا جو حشر ہوا وہ بھی سب کے سامنے ہے۔

۱۹۶۹ء کے بعد اسے دوبارہ شائع کیا گیا ہے جو ادارہ پاکستان شناسی کی ایک بڑی خدمت ہے۔ اس مختصر رسالے کے مطالعے سے کمیونزم اور سوشلزم کا فریب واضح ہوتا ہے۔ (سنڈے میگزین "زندگی" لاہور، ۲۸ - دسمبر ۲۰۰۳ء)

# اسلام کے مَعاشی نظام پر ادارۂ پاکستان شناسی کی دو معرکۃ الآرا مطبوعات

## ○ بالشویزم اور اسلام  از  مولانا محمد عبدالحامد بدایونی

بالشوزم کی لادینیت اور اس کے مذہب مخالف رویے کی نشان دہی کرنے، نیز اسلام کے ساتھ اس کا تقابل کرتے ہوئے اسلام کی اقتصادی تعلیمات کو اجاگر کرنے کی خدمت متعدد اہل علم نے انجام دی ہے، مگر زیر نظر کتابچے کی اہمیت دو اسباب سے ہے۔ اولاً اس سبب سے کہ یہ کتابچہ آل انڈیا مسلم لیگ کی مرکزی کونسل کے ایک رکن کا لکھا ہوا ہے جس نے قرار دادِ پاکستان کی تائید میں تقریر کی تھی۔ کتابچے کی اہمیت کا دوسرا سبب مولانا بدایونی کے فکری ارتقاء میں سوشلزم کے بارے میں ان کا رویہ ہے۔

"بالشویزم اور اسلام" کی زیرنظر جدید اشاعت میں سید محمد فاروق القادری صاحب کا دیباچہ شامل کیا گیا ہے۔ جناب ظہور الدین امرتسری نے چند صفحات بحیثیت ناشر لکھے ہیں، نیز کتابچے پر مختصر اور مفید حواشی کا اضافہ کیا ہے۔

(ششماہی نقطۂ نظر، اسلام آباد۔ اکتوبر ۲۰۰۴ء - مارچ ۲۰۰۵ء)

## ○ اسلام کا معاشی نظام اور سوشلزم کی مالی تقسیم  از  مولانا عبدالحامد بدایونی

اسلام دین فطرت ہے جس میں مستحق اور غریب لوگوں کی خبر گیری، انہیں اپنے رزق میں شریک کرنے اور ان کی ضروریات کا خیال رکھنے کی تاکید کی گئی ہے۔ قرآن حکیم نے اس عمل کو "انفاق فی سبیل اللہ" سے یاد کیا ہے۔ دور حاضر میں مختلف معاشی نظام سامنے آئے اور کئی ملکوں میں رائج ہوئے مگر کسی نظام نے مستحقین کی مدد اس طرح فرض نہیں کی جس کی تائید و تاکید اسلام نے کی ہے۔ سوشلزم اس دور کا ایک سب سے زیادہ زیر بحث رہنے والا نظام ہے جو روس میں نافذ بھی کیا گیا مگر اس کا جو حشر ہوا وہ بھی سب کے سامنے ہے۔

۱۹۶۹ء کے بعد اسے دوبارہ شائع کیا گیا ہے جو ادارہ پاکستان شناسی کی ایک بڑی خدمت ہے۔ اس مختصر رسالے کے مطالعے سے کمیونزم اور سوشلزم کا فریب واضح ہوتا ہے۔ (سنڈے میگزین "زندگی" لاہور، ۲۸-دسمبر ۲۰۰۳ء)